حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ آفاق فتاوی

فتاوی نعیمیہ

ادارہ کُتبِ اِسلامیہ گجرات

الحمد للہ کہ مجموعہ مسائل دینیہ مدلل بدلائل یقینیہ!

مسمّٰی بہ

فتاویٰ نعیمیہ

جس میں

حضرت مولانا الحاج حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ معرکۃ الآرا
فتاویٰ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ جن کی موجودہ
زمانہ میں اشد ضرورت ہے

مؤلفہ
حافظ محمد عارف قادری ٹیچر پبلک ہائی سکول گجرات

ناشر
ادارہ کتب اسلامیہ
چوک پاکستان
گجرات

نام کتاب ــــــ فتاوٰی نعیمیہ (مفتی احمد یار خان نعیمیؒ)
مؤلفہ ــــــ حافظ محمد عارف صاحب فارسی، ٹیچر پبلک ہائی سکول گجرات
صفحات ــــــ ۱۶۰/-
ناشر ــــــ ادارہ کتب اسلامیہ
پرنٹرز ــــــ پیر بھائی پرنٹرز۔ لاہور
تعداد ــــــ ایک ہزار
ملنے کا پتہ ، مکتبہ اسلامیہ، ۴۰ ۔ اردو بازار۔ لاہور

عرضِ ناشر

السلام علیکم! حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور عالم "فتاوی نعیمیہ" آپ کے سامنے ہے۔ کتاب تقریباً ۲۵ برس قبل شائع ہوئی تھی پھر اس کے بعد گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے اس کی اشاعت معرض التوا میں رہی تا آنکہ اب ایک طویل عرصے کے بعد نئی کتابت کروا کے انتہائی دلکش انداز میں پورے اہتمام کے ساتھ شائع کر کے تشنگانِ علم کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے حضرت حکیم الامت کے "فتاوے" عالم اسلام میں جو اہمیت اور مقام رکھتے ہیں وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور ضرورت تھی کہ "فتاوی نعیمیہ" کو بہر صورت شائع کیا جائے اللہ رب العزت کے فضل و کرم سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر رحمت کے صدقہ ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ آپ حضرت فتاوی کی اہمیت کے ساتھ ساتھ کتاب کو ظاہراً بھی خوبصورت پائیں گے یقیناً آپ کے جمالیاتی ذوق کی تسکین بھی ہو گی ان شاء اللہ

دعا فرمائیں اللہ بزرگ و برتر اسے ہمارے لئے وسیلہ بخشش بنائے۔ آمین والسلام

افتخار احمد خان مفتی

مکتبہ اسلامیہ۔ لاہور

بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمَالِہٖ
کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیعُ خِصَالِہٖ
صَلُّوا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

کلام شیخ سعدی

کتبہ گوہر قلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا
عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

موجودہ زمانہ میں مبارک ہیں وہ ہستیاں جن کی ذات جن کی زبان جن کے قلم مشغلِ راہ ہدایت ہیں اور نیک بخت ہیں وہ لوگ جو ان ہستیوں سے وابستہ رہ کر موجودہ زہریلی ہواؤں اور تاریکیوں سے محفوظ ہیں۔ کیونکہ آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں۔ وہ نہایت ہی خطرناک زمانہ ہے۔ کفر والحاد، بے دینی کی ایسی تیز آندھیاں چل رہی ہیں کہ ان سے قصرِ ایمان سخت خطرے میں ہے۔

سرزمین گجرات خوش قسمت خطہ ہے کہ ہمیشہ سے یہ صوفیاء وعلماء کا مرکز رہا اور حضرت مولانا الحاج حکیم الامت مفتی احمد یارخان صاحب بدایونی کا وجود اہلِ سنت کے لئے خدا کی رحمت اور اہلِ گجرات کے لئے باعثِ فخر ہے۔ مفتی صاحب چار کام انجام دے رہے ہیں۔ درسِ قرآن کریم، تدریس، فتاویٰ، وعظ۔ درس اور وعظ کا کچھ حصہ کتابی شکل میں شائع ہو چکا۔ کہ تفسیر نعیمی کے تین پارے آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اسی طرح مواعظ نعیمیہ کی دو جلدیں آپ کے مطالعہ سے گذر چکی ہوں گی۔ مجھے عرصہ سے فکر تھی کہ حضرت کے فتاویٰ بھی شائع ہو جاویں۔ مگر ہر کام کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ موقع نہ ملا۔ ادھر دشواری یہ پیش آگئی۔ کہ تمام فتاوے لکھے نہ گئے یہاں سینکڑوں فتوے جاری ہوتے ہیں۔ مگر صرف دو چار قسلم بند ہوتے ہیں۔ پھر ان جمع شدہ فتووں کا ایک بھاری ذخیرہ چاٹگام (بنگال) کے ایک صاحب نے ایسا پسند فرمایا۔ کہ اسے لے کر خود غائب ہو گئے۔ پھر دوبارہ جو ذخیرہ جمع ہوا اس کا ایک حصہ ایک صاحب نے چھپوانے کیلئے لیا اور گم کر دیا۔ اس سے ہمت ٹوٹ گئی۔

جو فتاویٰ جو رسالہ کی حد تک پہنچ گئے تھے۔ وہ ضرورت زمانہ کو محسوس کرتے ہوئے علیحدہ علیحدہ کتابی شکل میں چھپوا دیئے گئے۔ چنانچہ سلطنتِ مصطفےٰ۔ قہرِ کبریا بر منکرین عصمت انبیاء۔ رسالہ بیس رکعت تراویح۔ رسالہ یکدم تین طلاق۔ رحمتِ خدا بوسیلہ اولیاء۔ ایک اسلام وغیرہ

اسی فتاوے کے لکھتے ہیں۔ جو کتابی شکل میں چھپ کر آپ تک پہنچ چکے۔ اتفاقاً ایک فہرست میں فتاویٰ نعیمیہ کا اشتہار چھپ گیا۔ خلقت نے تقاضوں سے ہمیں سخت پریشان کر دیا کہ فتاویٰ نعیمیہ بھیجو۔ بعض صاحبوں نے قیمت پیشگی بھیج دی۔ اسی لئے مجبوراً فتاویٰ جس حال میں تھا اسی طرح بے ترتیب شائع کیا جا رہا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں اور فتوے زیادہ کر کے ترتیب وار شائع ہوگا۔ ناظرین استغفار اور دعا فرما دیں۔

محمد عارف
فارسی ٹیچر پبلک ہائی سکول گجرات

خطبۂ جمعہ کا حکم

فتویٰ نمبر ۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں کے پیش امام صاحب سے پہلے ہی لوگوں کو شکایت تھی کہ خطبہ بہت طویل پڑھتے ہیں۔ اب انہوں نے نیا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ خطبہ سے پیشتر اردو زبان میں مضمون خطبہ کے علاوہ دوسری تقریریں شامل کر کے بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لوگوں نے محسوس کیا ہے کہ ان تقریروں میں علماء پر چوٹ مقتدیوں کے ذاتی جذبات کا بھی شمول ہے۔ ان تقریروں کے بعد اذان ثانی ہو کر خطبہ شروع کیا۔ مقتدیوں میں اس کا چرچا ہوا۔ یہاں لوگ اکثر نماز جمعہ کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔ اس لئے یہ تاخیر ان کو زیادہ گراں گزرتی ہے۔ متولی اس سے منع کرتے ہیں کہ یا تو بعد عشاء یا بعد جمعہ یہ مضمون بیان کرو تاکہ نمازیوں پر بار نہ ہو۔ آیا یہ منع کرنا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

عبدالرزاق مدرسہ محمدیہ اللہ برہ رنگون

الجواب

بعون الملک العلام الوھاب۔ امام صاحب کو متولیان مذکورہ کا ان امور سے روک دینا بالکل درست ہے بلکہ ضروری ہے۔ کیونکہ امام صاحب کا یہ طریقہ خلاف شرع ہے۔ خلاف

شرعی امور سے روکنا بہت ضروری ہے۔ خطبہ نماز سے بڑھا دینا مکروہ ہے۔ حدیث میں ہے۔ ان طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقہہ فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبۃ (مسلم) عالمگیری میں ہے۔ الرابع عشر تخفیف الخطبتین بقدر سورۃ من طوال المفصل ویکرہ التطویل۔ خصوصاً جبکہ مسلمان طوالت سے گھبراتے ہوں۔ واعظ اور ناصح کو ضرور ہے کہ مسلمانوں کی رغبت کا خیال رکھے۔ اتنا دراز وعظ نہ کہے۔ کہ مسلمان گھبرا جائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں۔ لاتمل الناس ھذا القرآن (بخاری) لوگوں کو اس قرآن سے گھبرا نہ دے یعنی اتنا وعظ نہ کہو کہ لوگ گھبرا جائیں۔ وعظ میں نرمی اور تلطف کا بہت لحاظ رہنا چاہیئے۔ کذا فی الھندیۃ۔ لہٰذا امام صاحب کا یہ طریقہ کہ خطبہ طویل کریں۔ نیز لوگوں کو گھبرا دیں۔ نیز وعظ میں غیظ وغضب سے کام لیں۔ تمام کے تمام خلاف شرع ہیں ان کو خود ہی اس سے احتیاط کرنا چاہیئے۔ اگر خود احتیاط نہ کریں تو ان کو روک دینا چاہیئے۔ نیز خطبہ اردو یا کسی اور زبان میں عربی کے سوا درست نہیں۔ واللہ اعلم۔

احوج الناس الیٰ حبیب الرحمٰن

احمد یار خاں نعیمی اشرفی

۱۹ ذی الحجہ یوم جمعہ مبارک ۱۳۶۵ھ

فتویٰ نمبر ۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسا مدرسہ قائم کرنا جس میں دینی علوم سکھائے جائیں اور انگریزی تعلیم نیز صنعت وحرفت وتجارت ودرستی معاشرت واخلاق کی تعلیم کا معیار بھی مقرر کیا جائے اور مغربی تہذیب وتمدن سے بچا کر طالب علم کو ایسا بنایا جاوے کہ دین اور دنیا کا مدارج ہو جائز ہے یا نہیں جواب تسلی بخش ہو۔

محمد اکرم عمری مجددی

مہتمم مدرسہ ارشاد العلوم رامپور ریاست

الجواب

بعون الملک العلام الوھاب۔ بقدر ضرورت علم سیکھنا سخت ضروری ہے۔ بضرورت دنیاوی و دینی دونوں کو شامل ہے۔ یعنی دنیاوی و دینی ضروریات جس قدر علم سے پوری ہوں۔ سیکھنا ضروری ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ فیتناول ما ھو دینی کصلوۃ الجنازۃ وکالصنائع المحتاج الیھا۔ اسی مقام پر ہے۔ واما فرض الکفایۃ فی العلم فھو کل علم لا یستغنی عنہ فی قوام امور الدنیا کالطب والحساب الی ان قال واصول الصناعات والفلاحۃ کالحیاکۃ والسیاسۃ والحجامۃ۔ علم دین تو ہر مسلمان پر سیکھنا بقدر ضرورت فرض عین ہے۔ انگریزی بھی فی زمانہ ضروری ہوگئی کہ اس سے بہت سی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ صنعت و حرفت بھی اشد ضروری چیزیں ہیں۔ کہ کسب حلال کا حدیث میں تاکیداً حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ مرقات میں اسی کے ماتحت ہے۔ اذ کسب الحلال اصل الورع واساس التقوی۔ نیز حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے۔ قیل یارسول اللہ ای الکسب اطیب قال عمل الرجل و کل بیع مبرور۔ غرضیکہ حلال صنعتیں اور جائز پیشے ضروریات زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی پیشہ بغیر سیکھے نہیں آتا۔ اس لئے اس کا سیکھنا بھی ضروری۔ لہذا ایسی درسگاہ جس میں علوم دینیہ اور علم انگریزی و صنعت و حرفت کی تعلیم ہو۔ بہت ہی اچھی ہے اور قائم کرنے والا بہت اجر کا مستحق ہے۔ تعلیم انگریزی میں اس بات کا لحاظ رہے کہ طالب علم صاحب دین بنے۔ علی العموم انگریزی دان حضرات میں انگریزیت سرایت کرجاتی ہے کہ وہ دین سے اجنبی تو کیا دین اور اہل دین کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اور جو نقصان کفار دین پہنچا سکیں۔ یہ نادان دوست پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ صورت ہوئی۔ تو سخت حرام اور اس کی معاونت کرنے والا مجرم ہوگا۔ اگر دین کا صحیح جذبہ رکھتے ہوئے انگریزی تعلیم حاصل کی جاوے۔ تو انگریزی دان دین کو اس سے بہت فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اسی طرح صنعت و حرفت والا اپنی ضروریات میں مصروف کا دست نگر نہ ہوگا۔ واللہ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتم واحکم

احمد یار خاں نعیمی اشرفی غفرلہ

۱۷ ذی الحجہ یوم جمعۃ المبارک ۱۳۵۷ھ

فتوی نمبر ۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی کے نکاح میں لڑکے والے سے کہا کہ مہر کے علاوہ بغیر قرض اگر آپ اس شرط پر روپیہ دیں گے تو میں برات کو کھانا کھلا سکتا ہوں ورنہ نہیں۔ یہ روپیہ لینا جائز ہے یا حرام؟

محمد حسین بجانگام
۲۵ ذی الحجہ ...

الجواب

بعون الملک العلام الوھاب:۔ یہ سوال ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اگر روپیہ کی شرط پر نکاح کرتا ہے کہ بغیر اس کے ادا کئے نکاح ہی نہ کرے۔ تب تو یہ رشوت ہے اور رشوت لینا حرام ہے۔ درمختار میں ہے۔ اخذ اھل المرأۃ شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یستردہ لانہ رشوۃ۔ ردالمحتار میں ہے وکذا الولی ان یزوجہا فللزوج الاسترداد قائما اوھالکا لانہ رشوۃ۔ اور اگر یہ روپیہ شرط نکاح نہیں ہے بلکہ ویسے دعوت کے لئے مانگتا ہے تو سوال ہے اور مہمانوں کی دعوت اتنی ضروری نہیں کہ اس کے لئے سوال جائز ہو۔ حدیث پاک میں ہے۔ ان المسألۃ لا تحل الا لاحد ثلثۃ رجل تحمل حمالۃ فحلت لہ المسئلۃ۔ حتی یصیبہا ثم یمسک ورجل اصابتہ جائحۃ اوحاجۃ الحدیث: فرق دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ پہلی صورت میں تو شوہر روپیہ واپس لے سکتا ہے کہ ماذکرنا اور دوسری صورت میں واپس نہیں کر سکتا کہ یہ ایک ہدیہ تھا۔ اگرچہ اس کا مانگنا ناجائز تھا۔ ہاں اگر عرف اس پر قائم ہو کہ لڑکے والے بطور خود لڑکی والے کے یہاں کچھ روپیہ وغیرہ دوسری چیز بھیجتے شادی کے پہلے یا بعد بھیجتے ہوں تو درست ہے کہ ہدیہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ وکذا ما یعطیہا من ذلک اومن دراھم ودنانیر صبیحۃ لیلۃ العرس فان کل ذلک تعورف فی زماننا کونہ ھدیۃ۔ واللہ اعلم۔

احوج الناس الی حبیب الرحمٰن
احمد یار خان نعیمی اشرفی
۱۵ ذی الحجہ یوم پنجشنبہ ۱۳۵۸ھ

فتویٰ نمبر ۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کا صحیح وزن اسی روپیہ سیر سے کیا ہے۔ یا کتنے رائج الوقت سے کتنے روپیہ بھر ہے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

صاع ۴ مُد یعنی ۴ من عرفی کا ہوتا ہے اور ایک مُد دو رطل کا اور رطل بیس استار کا اور ایک استار ۴ مثقال کا اور ایک مثقال ۴ ماشہ کا اس حساب سے صاع ۲۹۲ روپے بھر کا ہوا۔ جس کے ۸۰ کے سیر سے تین سیر ۱۰ چھٹانک ۲ روپیہ بھر کا ہوا۔ عالمگیری میں ہے۔ والصاع ثمانیۃ ارطال بالبغدادی والرطل البغدادی عشرون استارا والاستار اربعۃ مثاقیل ونصف۔ ردالمحتار میں ہے۔ اعلم ان الصاع اربعۃ امداد۔ والمدّ رطلان والاستار اربعون والاستار بکسر الھمزۃ بالمثاقیل اربعۃ ونصف ہمارے اس حساب سے رطل بغدادی ۳۶ روپیہ چند ماشہ بھر ہوا اور رطل کا صاع ہوتا ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ رطل چالیس روپے بھر کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے صاع ۳۲۰ روپیہ بھر کا ہوا۔ جو کہ ۸۰ سیرے سے ۴ سیر ہوا۔ لیکن یہ بات صرف مشہور ہی ہے نہ کہ تحقیقی۔

خیال رہے کہ صاع کے وزن میں اُرد یا مسور کا اعتبار ہے کہ ان کا وزن گھٹتا بڑھتا نہیں۔ جب گیہوں یا جو سے حساب لگایا جائے گا۔ تو ایک صاع میں وزنی گیہوں زیادہ سمائیں گے اور ہلکے کم اسی لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے صاع کا وزن احتیاطاً وتحقیقاً ۳۵۱ روپیہ بھر تجویز فرمایا ہے کہ وزنی سے وزنی گیہوں ایک صاع میں اتنا ہی آسکے گا۔ اس صورت میں زیادہ تو لا ہو جائیگا مگر کم نہ ہوگا۔ اس لئے مسلمانوں کو اسی پر عمل چاہئے۔ ردالمحتار میں ہے۔ وبناء علی تقدیر الصاع

بالثالث او السدس اماعطٰی تقدیرہ بالحنطۃ او الشعیر وھو الاحوط فیؤدیہ نصف الصاع علیٰ ذالک فالاحوط اخراج ربع مد شامی علی التمام من الحنطۃ الجیدۃ ۔
اس تقدیر پر صاع بحساب اسی روپیہ کے چار سیر و چھٹانک اور روپیہ بھر ہوگا۔ اسی حساب سے فطرہ نصف صاع گیہوں دیا جائے یعنی ۱۷۵ روپیہ اٹھنی بھر۔ واللہ اعلم۔

عفی عنہ احمد یار خان نعیمی

فتویٰ نمبر ۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ درود پاک میں آل سے مراد اولاد پاک و ازواج مطہرات و صحابہ کرام وجملہ مومنین ہیں یا صرف اہل بیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ نیز یہ بھی تحریر فرمایا جائے کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور تمام ازواج مطہرات داخل ہیں کہ نہیں۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

لفظ آل کی مراد میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک ہے۔ اور بعض کے نزدیک آل سے مراد اہل وعیال یعنی اولاد پاک و ازواج مطہرات ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ہر متقی آل ہے۔ اور بعض کے نزدیک ہر مومن آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن کریم نے فرعون کے متبعین کو آل فرعون فرمایا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ آل رجل اہل وعیال وے واگر نیز بمعنی اتباع نیز آمدہ وظاہر آنست کہ مراد در حدیث بمعنی اتباع باشد و بعض آں را تفسیر اہل بیت کنند بعض گفتہ کہ مقصد برادو ازواج است۔ حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے۔ اختلفوا فی الآل من ھم فقیل من حرمت علیہ الزکوٰۃ کبنی ھاشم و بنی المطلب والفاطمۃ والحسن والحسین وآلی وقیل کل مومن فی آلہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال الشیخ ھم الحق ان ازواجہ صلی اللہ علیہ وسلم واخلتہ فی ھذا الخطاب وال الصلٰوۃ بمعنی الاتباع و بھذا

المعنى ورد إلى كل مؤمن ومال اليه مالك ورجحه النووى فى شرح مسلم بہتر یہ ہے کہ درود پاک میں آل سے مراد عام مسلمین لئے جاویں کہ یہ معنی سب کو شامل ہے اور رحمت الٰہی بھی شامل۔ ہم بلاوجہ تخصیص ذرا یعنًا کے کیوں مصداق بنیں۔ صحیح یہ ہی ہے کہ اہل بیت رسول اللہ حضور کی اولاد پاک و ازواج مطہرات کو کہتے ہیں۔ کیوں کہ اہل بیت کے لغوی معنی ہیں گھر والے۔ اور گھر دو طرح کے ہیں۔ خانہ ولادت۔ و خانہ سکونت۔ اولاد خانہ ولادت والے ہیں اور ازواج خانہ سکونت والے۔ اور بیت اس جگہ مطلق ہے۔ تو حضور کی اولاد پاک یعنی فاطمہ زہرا، حسنین کریمین و دیگر اولاد پاک نیز حضرت علی و ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم اجمعین سب ہی مراد ہوں گے۔

اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ علیہ الرحمۃ آیت اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ کے متعلق فرماتے ہیں کہ "وحق آنست کہ ازواج مطہرات نیز داخل ایں خطاب اند زیرا کہ سوق آیہ قرآنیہ منادی است بدخول"۔ مرقاۃ المفاتیح میں حدیث عترتی واهل بيتي کے ماتحت ہے۔ أراد بذالك نسله وعصابة الادنين وازواجه۔ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ فخر رازی گفتہ کہ اولیٰ آنست کہ گفتہ شود اہل بیت ازواج و اولاد آنحضرت اند۔ قرآن کریم کی ایک سورۃ کا نام آل عمران ہے اس سورت میں عمران کی بیوی حنہ اور بیٹی مریم دونوں ہی کا قصہ مذکور ہے۔ معلوم ہوا کہ لفظ آل بیوی و اولاد کو شامل ہے۔ واللہ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ہر سال ماہ محرم میں تعزیہ بناتا ہے اور کبھی امامت بھی کرتا ہے۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تم تعزیہ بنانا چھوڑ دو۔ وہ کہتا ہے۔ کہ میں صناع ہوں۔ اپنی صنعت دکھاتا ہوں۔ تعزیہ نہیں بناتا ہوں تو کیا یہ عذر صحیح ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

الجواب

اگر تعزیہ میں جاندار کی تصویر نہ ہو۔ بلکہ صرف روضۂ مطہرہ امام شہید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا نقشہ ہو تو اس کا بنانا درست ہے کیونکہ جاندار کی تصویر بنانا شرعاً حرام ہے۔ اور غیر جاندار کی مباح مسلم و بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت فرمائی، کہ سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول کل مصور فی النار یجعل له بکل صورۃ صورھا نفساً فیعذبه فی جهنم قال ابن عباس فان کنت لابد فاعلاً فاصنع الشجرۃ وما لا روح فیه۔ رد المحتار میں ہے۔ الاجماع علی تحریم تصویر الحیوان وصنعته حرام بکل حال۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ غیر جاندار کا نقشہ بنانا درست ہے۔ لہٰذا شخص مذکور اگر ایسا تعزیہ بناتا ہو جس میں کوئی تصویر نہ ہو تو جائز ہے اور اس کے پیچھے نماز بھی درست۔ ورنہ نہیں۔ تعزیہ بنانا اور چیز ہے اور تعزیہ داری کچھ اور۔ تعزیہ داری میں چونکہ باجہ کھیل کود اور فضول خرچی ہوتی ہے اس لئے حرام ہے۔ اور چونکہ تعزیہ بنانا ان باتوں سے خالی ہے۔ اس لئے جائز ہے۔ مروجہ تعزیہ داری حرام ہے۔ اور صرف نقشہ بنانا جائز

واللّٰہ اعلم

احمد یار خاں

فتویٰ نمبر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سرائے بیگم کی مسجد میں اب تک نمازی بہت ہی کم آتے تھے۔ اب دو ہفتہ سے نوجوانان محلہ نے اس کی کوشش کی کہ جو بالغ ہو اس کو نماز میں شرکت ضرور کرنا چاہیئے۔ اس قسم کی پنچایت کی ہے۔ لہٰذا ہر نماز پنجگانہ کے بعد باہر دروازہ مسجد پر نعرۂ تکبیر بلند آواز سے لگاتے ہیں۔ تاکہ نمازیوں میں نماز کا ذوق پیدا ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ صبح و مغرب کی نماز کے لئے صلوٰۃ وسلام سے لوگوں کو بیدار کرتے ہیں۔ رمضان میں تکبیر کہتے جاتے ہیں۔ نیز بعض حضرات پیش امام بعد فرائض پنجگانہ کے تھوڑے بلند آواز سے کلمہ طیبہ تین بار مع مقتدیوں کے پڑھتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ پڑھنا منع ہے تین وجہوں سے۔ اول یہ کہ بدعت ہے۔ دوسرے یہ کہ ذکر بالجہر ہے جو ممنوع ہے۔ تیسرے اس سے دعا طویل ہو جاتی ہے جو منع ہے یہ طلال درست ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ تمام کام جائز ہیں۔ نعرۂ تکبیر بلند آواز سے کہنا تو جائز ہے کہ یہ ذکر الٰہی ہے اور جب نماز کا فرق پیدا کرنے کے لئے ہو تو اور بھی بہتر ہے قرآن کریم میں ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ۔ اس آیت کریمہ میں ہر حال میں ذکر الٰہی کا حکم دیا گیا۔ نماز سے پہلے یا نماز کے بعد کی قید نہیں اس تکبیر کو روکنا ایک خیر کو روکنا ہے جو بالکل غیر مناسب ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ قِيْلَ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ يَنْبَغِيْ لِاَهْلِ الْكُوْفَةِ وَغَيْرِهَا اَنْ يُّكَبِّرُوْا اَيَّامَ الْعَشْرِ فِي الْاَسْوَاقِ وَالْمَسَاجِدِ قَالَ نَعَمْ قَالَ الْفَقِيْهُ اَبُوْجَعْفَرٍ وَالَّذِيْ عِنْدِيْ اَنَّهٗ لَايَنْبَغِيْ ان تمنع العامة عَنْهُ لِقِلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرِ وَبِهٖ نَاْخُذُ۔ (باب صلوٰۃ العیدین) نیز نماز کے لئے صلوٰۃ وسلام سے بیدار کرنا بہت بہتر کام ہے کہ درود وسلام خود بہت عمدہ کام ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ پھر اس میں نماز کی اطلاع جسے تثویب کہتے ہیں جو بہتر کام ردالمحتار میں ہے۔ احدث المتاخرون التثويب بين الاذان والاقامة على حسب ما تعارفوه في جميع الصلوات سوى المغرب وما راٰه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن اطلاع نماز کے لئے کوئی خاص الفاظ شرعاً مقرر نہیں جن کے سوا سے تثویب نہ ہو۔ بلکہ جو اہل عرف مقرر کرلیں۔ ان ہی سے تثویب ہے لہٰذا ان لوگوں نے جب صلوٰۃ وسلام کو اطلاع کے لئے مقرر کرلیا۔ تو یہی تثویب ہوگئی۔ ردالمحتار میں ہے۔ كتنحنح او قامت قامت او الصلوٰة الصلوٰة ولو احدثوا اعلاما مخالفا لذالك جاز اسی طرح بعد فرائض پنجگانہ کلمہ طیبہ بطریقہ مذکورہ پڑھنا جائز ہے۔ اس کی اصل سنت سے ثابت ہے اس سے منع کرنا جہالت ہے۔ ان تینوں اعتراضات کی بنا وہم باطل پر ہے۔ یہ کس طرح بدعت ہوسکتا ہے۔ مسلم وبخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا۔ كنت اعرف انقضاء صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير۔ معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بعد فرائض باجماعت اس قدر آواز سے تکبیر فرماتے تھے جس سے اطراف کے گھر والوں کو ختم نماز کی خبر ہوجاتی تھی۔ نیز ذکر بالجہر مطلقاً ممنوع نہیں قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا یعنی جیسے تم موقع حج پر مجمعوں میں اپنے خاندان کے مناقب گایا کرتے ہو اس طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ خدا کا ذکر کیا کرو۔ حدیث پاک میں وارد ہوا وان ذكرني في ملاء ذكرته في ملاء خير منه متفق علیہ جس سے صاف

معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بہتر ہے۔ البتہ اگر ذکر بالجہر میں ریا کا خوف یا نمازی یا سونے والے کو تکلیف ہو تو آہستہ بہتر ہے۔ اسی توجیہ پر آیت اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔ اور حدیث خیر الذکر الخفی وغیرہ محمول ہوں گی۔ ورنہ بالجہر ہی افضل ہے۔ کہ اس سے بہت سے فائدے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس سے قلب زندہ ہوتا ہے۔ سامعین کو ذکر کی رغبت ہوتی ہے اور شیطان دفع ہوتے ہیں۔ ردالمحتار میں ذکر بالجہر والخفی کے بارے میں فرماتے ہیں۔ لانہ حیث خیف الریاء او تاذی المصلین او النیام فان خلا مما ذکر فقال بعض اہل العلم ان الجہر افضل لانہ اکثر عملا ولتعدی فائدتہ الی السامعین ویوقظ قلب الذاکر ویطرد النوم ویزید النشاط اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرہا الا ان یشوش جہرہم علی نائم او مصل او قاری۔ اگر ذکر بالجہر مطلقاً منع ہو تو نماز میں قراۃ بالجہر، اذان و تکبیر عید وغیرہ تمام اس قسم کے اذکار منع ہو جائیں گے کہ یہ سب ذکر بالجہر ہیں نیز یہ کہنا کہ دعا دراز ہو جاتی ہے۔ غلط ہے۔ ذکر کی بھی حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد تکبیر فرماتے تھے۔ نیز مسلم و بخاری کی روایت ہے۔ کان یقول صلی اللہ علیہ وسلم فی دبر کل صلوۃ مکتوبۃ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الخ ہاں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کہ اذا سلم لم یقعد مقدار ما یقول اللھم انت السلام ومنک السلام الخ نیز درمختار کا یہ مسئلہ کہ یکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر اللھم انت السلام الخ سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان میں بجز ان کلمات کے زیادہ توقف نہ کرے۔ ورنہ مکروہ ہوگا۔ لیکن اس سے یہ مقصد نہیں کہ مطلقاً زیادتی کرنا مکروہ ہے۔ اگرچہ دو چار الفاظ ہی کی ہو بلکہ زیادہ دیر لگانا منع ہے۔ اور لمبی چوڑی دعائیں اور اذکار۔ ورنہ احادیث میں تعارض واقع ہوگا۔ شامی میں ہے۔ وقول عائشۃ بمقدار لا یفید انہ کان یقول ذلک بعینہ بل کان یقعد بقدر ما یسعہ ونحوہ من القول تقریبا فلا ینافی ما فی الصحیحین من انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی دبر کل صلوۃ مکتوبۃ لا الہ الا اللہ الخ لہذا یہ تمام امور جائز بلکہ بہتر ہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خان غفرلہ

فتویٰ نمبر ۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی لڑکی اور عمرو کا لڑکا ان دونوں میں ناجائز تعلق پیدا ہوا۔ جس سے لڑکی حاملہ ہوگئی۔ چھ ماہ کے بعد فریقین کے والدین کو خبر ہوئی۔ نیز لڑکی حاملہ ہونے کی خبر ہوئی۔ والدین موجودہ حالت میں اس لڑکے کی شادی اسی مذکورہ لڑکی سے کر سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

یہ نکاح بھی جائز ہے اور بعد نکاح وطی بھی درست۔ اس لئے کہ یہ حمل زنا ہے۔ اس کی موجودگی میں نکاح جائز ہوتا ہے۔ ہاں اگر زانی کے سوا کسی اور سے نکاح ہوتا تو نکاح تو درست ہوتا
مگر وطی جائز نہ ہوتی۔ لیکن چونکہ نکاح خود زانی سے ہوا ہے لہٰذا بعد نکاح وطی بھی درست ہے۔
درمختار میں ہے۔ وصح نکاح حبلی من زنا لا حبلی من غیرہ وان حرم وطؤھا ودواعیہ حتی تضع۔ اسی ردالمحتار میں ہے۔ لو نکحھا الزانی حل لہ وطؤھا عالمگیری میں ہے وقال ابو حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی یجوز ان یتزوج امرأۃ حاملۃ من الزنا ولا یطؤھا حتی تضع وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز عند الکل ولہ ان یطأھا عند الکل۔

واللہ تعالٰی اعلم

احمد یار خان غفرلہ

فتویٰ نمبر ۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جو اپاہج اور نابینا ہے۔ ہر طرح کی تکلیف میں مبتلا ہے۔ تو اس سے کونسی نافرمانی ہوئی ہے۔ جس کی یہ سزا ہے۔ آریہ کہتا ہے کہ اس لڑکے نے پہلی جون میں قصور کئے تھے جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ اس پر مسئلہ تقدیر پیش کیا گیا۔ مگر وہ نہیں مانتا۔ اس کا جواب کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

آریہ جس کا دعوے ہے کہ ہر جاندار موجودہ زندگی سے پیشتر دوسری زندگی میں تھا اس پر اس دعویٰ کی دلیل لانا ضروری ہے۔ جب تک کہ پچھلی جون دلیل سے ثابت نہ ہو گئے۔ تو موجودہ تکالیف کو اس کی سزا کس طرح کہہ سکتا ہے۔ آریہ کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا اس کا دعوے محض باطل ہے۔ آریہ کا دعوے تناسخ قدم عالم پر موقوف ہے اور قدم عالم کا خود کیا ثبوت نہیں۔ تو تناسخ کا قدم کس سطح پر جمے گا اور اگر حسب عقیدہ آریہ کے عالم کو قدیم فرض کیا جائے اور ارواح و مادہ کو انادی یا قدیم مان لیا جائے تو صانع کا وجود (ایشور کی ہستی) اس کے ثبوت پر کیا دلیل ہوگی۔ بلکہ ایشور کا وجود محض وہمی ہو جائے گا۔ نیز جب روح و مادہ قدیم تو یہ تینوں یعنی ایشور روح و مادہ باہم مساوات رکھتے ہیں۔ تو ایشور کی ان پر حکومت کیسی؟ اور ایشور کیوں ان کا حاکم بن بیٹھا اور اپنی مرضی کے خلاف کرنے پر روح و مادہ کو اس سے مستحق ہے۔ مجرم کیوں قرار دیتا ہے۔ اور اگر بے وجہ حکومت کرتا ہے تو ظالم ہے۔ نیز آواگون ماننے کی تقدیر پر انقلاب حقیقت جو کہ محال ہے لازم آئے گا۔ یعنی ایک روح جب جسم انسانی میں تھی تو وہ ناطقہ تھی۔ بعد میں وہی روح جو جسم چارپائی میں آگئی۔ تو پتھر بن گئی۔ وھو محال۔ نیز روح کو اجسام ملنا اعمال پر موقوف ہے۔ اور اعمال بغیر جسم نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا دور لازم آئے گا۔ نیز اس تقدیر پر خدائے پاک معطل محض ہو گا۔ کیونکہ فاعل مختار کہ روح اور مادہ جب خالی ہوں اور مادہ روح کے اعمال کے مطابق ہو تو اس میں خلط کر دے۔ ورنہ نہیں۔ حالانکہ ہم کو اپنی مملوکات میں ہر طرح کا اختیار ہوتا ہے۔

دوم تکلیف و مشقت کے سزا میں منحصر ہونے پر کون سی دلیل ہے۔ کیا ضروری ہے کہ ہر تکلیف سزا ہی ہو۔ مشقتوں کے اسباب کبھی وجوہ سابقہ ہوتے ہیں اور کبھی مصالح لاحقہ ایک بچہ کو کتب بھیجتے ہیں۔ اور دن بھر پابند کر کے پڑھنے کی محنت ڈالتے ہیں۔ اس کو آزادی اور لذات دنیا سے محروم کر دیتے ہیں۔ یہ تمام باتیں مشفق ماں باپ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ تو کون عاقل کہے گا کہ یہ اس کے گزشتہ گناہوں کا بدلہ ہیں۔ بلکہ حقیقت میں وہ آنے والی زندگی کی راحت کا پیش خیمہ ہیں۔ اسی طرح کسان دن بھر دھوپ میں جلتا ہے کھیتی کی الخ بلکہ ان سے بھی زیادہ مشقتیں کرتا ہے یہ کس جرم کی سزا ہے۔ علاوہ ازیں وید میں دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے اگر وید خدا کی کتاب ہے۔ تو تناسخ باطل ہو گیا کیونکہ جب راحت و تکلیف کا مدار نیک و بد اعمال پر ہوا تو پکارنا (دعا) ایک لا حاصل چیز رہ گئی اور اگر پکارنا کام کی چیز ہے تو تناسخ باطل۔ نیز سب سے اچھے لوگ جیسے وہ لوگ جن پر وید آیا۔ ان کو دنیا میں ایسی جگہ ملنی چاہیے تھی کہ اس میں کوئی تکلیف نہ ہوتی حالانکہ دنیا

میاں بیوی زندگی کسی کی نہیں۔ جو خالص عیش کی ہو۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر عورتیں شلوار پہنتی ہیں۔ جس کی موری چوڑی ہوتی ہے کہ پاؤں اٹھاتے وقت پنڈلی کھل جاتی ہے۔ آیا اس طرح کی شلوار جائز ہے یا کہ نہیں اور عورت کی پنڈلی کا کیا حکم ہے؟

الجواب

عورت کی پنڈلی ستر عورت ہے۔ جس کا چھپانا نماز و خارج نماز واجب ہے۔ حتیٰ کہ تنہائی میں بھی بلا ضرورت کھولنا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے۔ وجوبہ عام ولو فی الخلوۃ علی الصحیح الا لغرض صحیح۔ ردالمحتار میں ہے۔ ای اذا کان خارج الصلوۃ یجب الستر بحضرۃ الناس اجماعاً و فی الخلوۃ علی الصحیح۔ لہٰذا شلوار پہننے میں عورت کو چاہیے کہ یا تو پائنچہ کی موری تنگ رکھے یا بہت زیادہ خیال رکھے کہ پنڈلی کھلنے نہ پائے ورنہ گنہگار ہوگی۔ شلوار سے اگر یہ نقص دور کر دیا جائے تو پھر ان تنگ چھٹے ہوئے زنانہ پائجاموں سے بہتر ہے۔ جن میں بدن کا حجم معلوم ہوتا ہے کہ وہ پائجامہ پوری طرح ستر کا فائدہ نہیں دیتے اور ان پائجاموں پر سے بھی اجنبی شخص کو عورت کا حجم دیکھنا حرام ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ رویۃ الثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعۃ ولو کثیفا لا تری البشرۃ منہ۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کا غیر مرد کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز جنگلی کبوتر کھانا حلال ہے یا حرام؟ اور ان کا شکار جائز ہے یا نہیں۔ نیز بے نمازی کو گھر میں رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جس طرح مرد کو اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔ اسی طرح عورت کو جائز نہیں کہ وہ اجنبی مرد کو دیکھے۔ فانہ لا امن فی الزمان من الفتن۔ امام احمد و ترمذی و ابوداؤد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔ جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پردہ کا حکم فرمایا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی

کہ وہ نابینا ہیں۔ ہمیں دیکھتے نہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم بھی انہیں نہیں دیکھتیں؟ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یا رسول اللہ الیس ھو اعمٰی لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ (مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ) اس حدیث کی شرح میں علامہ علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔ قیل فیہ تحریم نظر المرأۃ الاجنبی مطلقاً و بعض خص خوف الفتنۃ علیھا لہٰذا عورت کو جائز نہیں کہ اجنبی مرد کو دیکھے۔ واللہ اعلم۔

۱۲ کبوتر خواہ جنگلی ہو یا پالو حلال ہے اور اس کا شکار جائز۔ پرندے وہ حرام ہیں جو پنجے سے شکار کرتے ہیں اور کبوتر ایسا نہیں ہے۔ در مختار میں ہے۔ لا یحل ذوناب یصید بنابہ او مخلب یصید بمخلبہ ای ظفرہ فخرج نحو الحمامۃ۔ واللہ اعلم۔

۱۳ اگر غالب گمان یہ ہو کہ بے نمازی کو گھر سے علیحدہ کرنے سے اس کو نصیحت ہوگی۔ اور وہ نماز کا پابند ہو جائے گا۔ تب تو ضرور بالضرور اس کو علیحدہ کر دیا جائے اور اگر خیال ہو کہ گھر میں رکھنے سے ممکن ہے کہ ہم وطنوں کی صحبت سے نماز کا پابند ہو جائے گا اور گھر سے نکال دینے میں آزاد ہو کر اور زیادہ حالت تباہ ہو جائے گی تو نہ نکالا جائے اور برابر نرمی و مہربانی سے نماز کی ہدایت اسی طرح جاری رہے کہ اس کی طبیعت میں ضد پیدا نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۱۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر عورت پوڈر کلپ سرخی وغیرہ لگا کر نماز پڑھے تو جائز ہے یا نہیں اور شریعت نے اس کو حلال کیا ہے یا حرام؟

الجواب

اگر مذکورہ چیزیں ناپاک ہیں۔ تو ان کا جسم پر لگانا ہی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ نماز میں جس میں جسم تو کیا کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ اور اگر پاک ہیں تو اگر یہ چیزیں چہرے کی رنگت و ہیئت کو بدلتی ہیں تو اس کا استعمال مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ مثلہ ہے جس کی ممانعت آئی ہے۔ حتیٰ کہ تیمم کرنے والے کو حکم دیا گیا کہ وہ مٹی کو چہرے پر اس طرح نہ لگائے کہ جس سے ہیئت چہرہ متغیر ہو جائے در مختار میں ہے۔ لکن لا ینبغی التیمم بہ قبل خوف وقت لئلا یصیر مثلۃ بلا ضرورۃ

ردالمحتار میں ہے کہ لایتلطخ بوجهه فیصیر مثلة اور اگر اس سے چہرے کی رنگت وہیئت میں کوئی فرق نہیں آتا تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان کی خوشبو وغیرہ اجنبی مرد کو محسوس نہ ہو۔ واللہ اعلم

فتویٰ نمبر ۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین و مفتیانِ کبار اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے یا نہیں۔ اذان ثانی جمعہ بھی اس میں داخل ہے یا نہیں۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے زمانے میں یہ اذان کہاں ہوتی تھی۔ اگر تمام طرفوں کے لئے مشرقی دیوار میں دروازہ کے جانب شمالی طاق بنا دیا جائے جس میں اذان ہو۔ جیسا کہ مسجد حضرت مولانا مولوی حافظ محمد نعیم الدین صاحب ناظم انجمن اہلسنت مدظلہ العالی نے مسجد و مدرسہ انجمن بنایا۔ یہ مطابق سنت ہے یا نہیں۔ اور دیوار مسجد سے خارج ہے یا نہیں۔ اگر یہ مطابق سنت ہے تو رسم ورواج پر چلنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ہر اذان خواہ جمعہ کی ثانی ہو یا اوّل یا اذان پنج وقتہ ہو۔ خارج مسجد ہونی چاہیئے۔ مسجد میں مکروہ ہے عالمگیری میں ہے۔ وینبغی ان یؤذن علی المأذنة او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد کذا فی فتاوی قاضی خان۔ یہ حکم تمام اذانوں کے لئے ہے۔ ہاں اس اذان اور دیگر اذانوں میں اتنا فرق ہے کہ یہ اذان بالکل خطیب کے سامنے ہو کما هو مصرح فی عامة کتب الفقه۔ ابوداؤد جلد اوّل میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے۔ کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الباب ورواہ حضور کے زمانہ اقدس و زمانہ شیخین رضی اللہ تعالےٰ عنہما میں یہ اذان دروازہ مسجد پر جو منبر کے مقابل ہے ہوتی تھی۔ جب اس اذان کا خارج مسجد ہونا احادیث سے ثابت اور مسجد میں اذان مکروہ تو اس کے مقابل عوام کے رسم و رواج پر چلنا جہل و غلط ہے اور یہ مسلمان کی شان سے بعید ہے۔ واللہ اعلم۔

عمارت مسجد میں تبدیل یا تغیر صرف بنائے مسجد یا ضرورت شدیدہ کے لئے چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ کسی اور مقصد کے لئے نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اذان کے لئے دیوار مسجد میں طاق بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ تبدیل دیوار مسجد کی مصلحت کے لئے نہیں۔ بحر کتاب الوقف میں ہے کرہ احداث الطاقات فی المسجد۔ اسی بحر کتاب الوقف میں ہے۔ لیس للمدرس فی المسجد ان یجعل

من بیتہ بابًا الی المسجد وان جعل ادی ضمان نقصان الجدار۔ مسجد میں بغیر نفع درخت لگانا بھی منع ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ ویکرہ غرس الشجر فی المسجد الا ان یکون فیہ للمسجد۔ درمختار میں ہے۔ ویکرہ غرس الاشجار الا لنفع لتقلیل نز ونکوت للمسجد حضرت قبلہ عالم سیدی حضور صدر الافاضل دامت برکاتہم العالیہ نے تعمیر مسجد ہی کے وقت اس شرقی دیوار میں طاق اذان کی نیت سے رکھا تھا۔ یہ کسی عمارت کی تغیر نہیں۔ اسی طرح جتنی مسجدیں بنائی جاویں۔ اور ان میں بوقت بنا اذان کی جگہ بشکل طاق بنادی جاوے تو جائز ہے اور اس میں اذان درست ہے کہ یہ اذان مسجد میں نہیں ہے اور نہ طاق میں تغیر ہا ہے۔ بعد تکمیل طاق بنانا بغیر ضرورت مجوزہ ناجائز ہے۔ اگر کسی مسجد کے بناتے وقت دیوار مسجد یا سقف پر امام کے لئے مکان بنادیا۔ یا زیریں حصہ میں منافع مسجد کے لئے تہ خانہ بنایا تو جائز ہے۔ اور بن چکنے کے بعد بنانا ناجائز۔ بحر الرائق میں ہے۔ ضمن بنی بیتًا علی جدار المسجد وجب ھدمہ۔ اسی بحر میں ہے۔ لو بنی بیتًا علی سطح المسجد یکن للامام فانہ لا یضر فی کونہ مسجدًا لانہ من المصالح فان قلت لو جعل مسجدًا ثم اراد ان یبنی فوقہ بیتًا للامام و غیرہ حل ذلک ان کان بناہ علی بیتہ وبین الناس ثم جکر بعد ذالک لا یترکہ واذا قال عنیت ذالک فانہ لا یصدق فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ — واللہ اعلم ـ

فتوی نمبر ۱۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے چوری کی جس کا وہ خود اقبالی ہے اب اگر زید امام ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور زید امامت کے لائق ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ چوری ایسی ہے جس پر شرعًا چوری کی تعریف صادق آتی ہے اور اس سے اب تک وہ شخص تائب نہیں ہوا۔ تو فاسق ہے۔ اس کو امام بنانا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے۔ ولعل المراد بہ من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربوا ونحو ذالک بحر میں ہے۔ وکرہ امامۃ العبد والاعرابی والفاسق۔ درمختار میں ہے۔ ویکرہ امامۃ عبد واعرابی وفاسق ـ

فتویٰ نمبر ۱۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شیعہ نے اپنے کو سُنّی المذہب ظاہر کر کے ایک سُنّی لڑکی سے دھوکہ دے کر نکاح کر لیا۔ اور اپنے گھر لے جا کر بطریق شیعہ نکاح کیا مگر خفیہ جب ماہ محرم آیا۔ تو لڑکی کو تبرّہ پر مجبور کیا۔ انکار پر لڑکی کو سخت مارا پیٹا لڑکی سے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ مجبوراً میکہ پہنچا دیا اور یہاں آ کر لڑکا پیدا ہو گیا۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ آیا نکاح درست ہوا یا نہیں اگر نہیں تو بغیر طلاق دوسرے شخص سے نکاح درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

تبرائی رافضی مرتد ہیں۔ ہندیہ میں ہے۔ ویجب اکفار الروافض الی ان قال وھؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین۔ اور مرتد کے ساتھ نکاح باطل محض ہے عالمگیری احکام المرتدین میں ہے۔ ومنھا ما ھو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ۔ درمختار میں ہے۔ ویبطل منہ اتفاقا النکاح والذبیحۃ والصید والشھادۃ والارث لہٰذا یہ نکاح درست نہیں ہوا۔ اور جب نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق کی کیا حاجت۔ مگر مناسب یہ ہے کہ عورت اس رافضی کو نوٹس دے کر میں سُنّی المذہب ہوں۔ تو نے سُنّی بن کر مجھے دھوکہ دے کر نکاح کیا۔ بعد میں مجھے رفض پر مجبور کیا اور ایذائیں دیں۔ چونکہ تو تبرائی رافضی ہے۔ اس لئے میرا نکاح تیرے ساتھ مذہب اہل سنّت کی رُو سے صحیح نہیں ہوا۔ لہٰذا میرا تیرا کوئی تعلق نہیں۔ میں اپنی مرضی سے جہاں چاہوں گی نکاح کروں گی۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۱۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں

۱۔ صحت نماز جنازہ کی کیا شرائط ہیں ؟

۲۔ تلویث کا احتمال نہ ہو تو مسجد کے برآمدے میں جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

۳ عام راستہ پرجہاں لوگوں کی ہر وقت آمدورفت رہتی ہو۔ اور جس ہونے کی صورت میں جوتے پہن کر نماز جنازہ پڑھنا از روئے شریعت کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

از رنگون برما

الجواب

صحت نماز جنازہ کی کل چھ شرطیں ہیں۔ میت کا اسلام۔ میت کی طہارت۔ میت کا نمازی کے سامنے رکھا ہوا ہونا۔ یعنی کندھوں یا سواری پر نہ ہونا۔ جنازہ کا موجود ہونا۔ امام کا بالغ ہونا۔ درمختار میں ہے۔ وشرطها ستة، اسلام المیت وطهارته وبلوغ الامام وشرطها ایضا حضوره ووضعه وکونه امام المصلی۔

۲ نماز جنازہ مسجد جماعت میں مطلقاً مکروہ ہے خواہ تلویث کا احتمال ہو یا نہ۔ حتیٰ کہ اگر میت خارج مسجد اور نمازی مسجد میں ہوں جب بھی مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے۔ وکرهت تحریماً فی مسجد جماعة هوای المیت فیه واختلف فی الخارجیة والمختار الکراهة مطلقاً بناءً علی ان المسجد بنیت للمکتوبة وتوابعها۔

۳ عام راستہ پر نماز جنازہ مکروہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ وتکره فی الشارع واراضی الناس۔ اور اگر نجس زمین پر جوتا پہن کر نماز جنازہ پڑھی تو نہ ہوئی اور اگر جوتا اتار کر اس پر کھڑا ہوگیا تو ہوگئی۔ اس لئے پہلی صورت میں جوتا لباس مصلی ہے۔ ردالمحتار میں تعریف لباس اس طرح فرمائی ہے۔ مالا لیس البدن فدخل القلنسوة والخف والنعل اور لباس نجاست اور مصلی کے درمیان آڑ نہیں بن سکتا کہ بدن کے تابع ہے اور جب اتار دیا تو علیحدہ چیز ہوگئی۔ اور علیحدہ چیز نجاست سے آڑ ہو سکتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ علمت مما قدمناه عن الفتح عدم اعتبار هذا الحائل المتصل حائلاً لتبعیة المصلی ولذا لوقام علی النجاسة وهو لابس خفا لم تصح صلوته۔ ہندیہ میں ہے۔ ولو خلع نعلیه وقام علیهما جاز سواء کان مایلی الارض منه نجساً او طاهراً اذا کان مایلی القدم طاهراً۔

واللہ اعلم وعلمه عز اسمه اتم واحکم

احمد یار خاں نعیمی

فتویٰ نمبر ۱۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عمارت مدرسہ اسلامیہ کی جو تختہ اراضی موقوفہ پر (بذریعہ دستاویز رجسٹری شدہ مدرسہ و تعلیم اسلامی کے لئے وقف کی گئی ہے) مقامی و غیر مقامی عامۃ المسلمین کے چندہ سے تعمیر یا توسیع کرائی گئی ہو۔ اور خالص مقصد تعمیر اس کا عربی و اسلامی تعلیم کے لئے ہو۔

۱۔ ایسی عمارت جو اراضی موقوفہ پر تعمیر یا توسیع یا ترمیم چندہ عام سے کرائی گئی ہو۔ از روئے قانون شریعت مقدسہ تعریف و حدودِ وقف میں شمار کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

۲۔ اگر کوئی مسلمان جس نے مہتمم اور تنخواہ دار ملازم ہونے کی حیثیت سے چندہ فراہم کر کے عمارت تعمیر کرائی ہو۔ اس کو اپنی ذاتی جدوجہد کی طرف مخصوص و محدود کر کے اپنے کو اس کا بانی اور اس کے نظم و نسق کا مالک و مختار قرار دے اور بصورت مقصد تعلیم فوت ہونے کے عامۃ المسلمین کی مداخلت اور وقف کی مخالفت میں حاکم وقف کے سامنے بصورت انکار وقف اپنا بیان داخل کرے۔ تو وہ از راہِ شرع شریف غاصب کے حکم میں آ سکتا ہے یا نہیں؟

۳۔ اصطلاح شریعت میں قطع نظر وقف و غصب کے کوئی تیسری صورت بھی حقوق اراضی و عمارت کی مسلمانوں کے لئے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا جزاکم اللہ خیراً (داد بیلی)

الجواب

عمارت مذکورہ وقف ہو گئی۔ کیوں کہ کسی وقف میں اضافہ یا توسیع کے لئے چندہ طلب کیا جاتا ہے۔ تو ہر شخص اس کے معنی یہی سمجھتا ہے کہ یہ اضافہ وقف میں شامل ہوگا اور دینے والا اسی نیت سے دیتا ہے۔ یہی معروف ہے۔ والثابت بالعرف کالثابت بالنص کما فی الرد المحتار اسی رد المحتار میں ہے۔ العادۃ محکمۃ ان الفاظ الواقفین تبنی علی عرفھم۔

۲۔ سوال اوّل کے جواب میں معلوم ہو چکا۔ کہ وقف میں جو اضافات کئے جاتے ہیں وہ اصل

وقف کے حکم میں ہوتے ہیں۔ چندہ جمع کرنے والے اس کے مالک نہیں ہوجاتے۔ کہ مالکانہ تصرف ان کے لئے روا ہوسکیں۔ حتی کہ اگر متولی اپنے مال خاص سے بھی وقف میں کوئی اضافہ کرے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ خواہ اس نے یہ اضافہ بہ نیت وقف کیا ہو۔ یا بغیر نیت وقف۔ بجز اس کے کہ اضافہ کے وقت اپنے لئے نیت کی ہو۔ اور اسی وقت اس پر گواہ بھی کر لئے ہوں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ تو وہ مال وقف ہے۔ جنیہ میں ہے۔ متولی وقف بنا فی عرصۃ الوقف فھو للوقف ان بناہ من مال الوقف او من مال نفسہ ونواہ للوقف او لم ینو شیئًا وان بناہ لنفسہ واشھد علیہ کان لہ واللّٰہ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتم واحکم۔

فتویٰ نمبر ۱۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن کریم میں قسم جگہ جگہ کیوں ارشاد ہوئی ہے۔ کیا خدائے قدوس کے فرمان کا بغیر قسم کے اعتبار نہ تھا۔

۲۔ شیعہ لوگ خرگوش کو حرام کہتے ہیں۔ کیوں کہ اس کی مادہ کو حیض آتا ہے۔ کیا اہل سنت کے پاس کوئی دلیل ہے۔ جس سے اس کو کھاتے ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا ہے؟

بینوا توجروا۔ از ضلع حصار

الجواب

قرآن کریم میں جو قسمیں یاد فرمائی گئی ہیں۔ ان میں بہت سی حکمتیں ہیں اولاً یہ کہ قرآن کریم زبان عرب میں نازل ہوا۔ اور اثبات مطالب میں حلف کا طریقہ عرب میں مروج ہے۔ امام فخر الدین رازی نے فرمایا۔ والقرآن انزل بلغۃ العرب واثبات المطالب بالحلف والیمین ما لوفۃ عند العرب نیز جھوٹی قسموں سے عرب بہت ڈرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ جھوٹی قسمیں کھانے والا ضرور برباد ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں قسمیں ذکر فرمائیں۔ اور دین اسلام برابر ترقی میں رہا۔ یہ عرب کے لئے دلیل ہے کہ یہ مضمون صحیح ہے۔ ورنہ خود تمہارے اعتقاد کے بموجب قسموں کے مؤکد کرنے

کے بعد اس کا رواج روز بروز کیسے بڑھتا رہا۔ نیز قرآن میں قسم فرمانے میں مقسم بہ کی ایک گونہ عزت افزائی بھی ہے۔ کہ یہ اشیاء عند اللہ ایسی معظم ہیں کہ ان کی قسم فرمائی گئی۔ ان کے علاوہ اور بہت سی حکمتیں ہیں جن کو اسلاف کرام نے اپنی تصانیف میں بیان فرمایا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ قصص کا قرآن کریم میں ذکر فرمانا مومنین کے رفع شکوک کے لئے نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور حکمتیں ہیں۔

۳۔ خرگوش حلال ہے۔ صحابہ کرام نے اس کا شکار کیا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے گوشت کا ہدیہ قبول فرمایا اور صحابہ کرام کو اس کے کھانے کا حکم دیا۔ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔ قال انفجنا ارنبا بمر الظهران فاخذتها فاتيت بها ابا طلحة فذبحها وبعث الى رسول الله صلى الله عليه وسلم بوركها وفخذيها فقبله۔ اخوالمعات میں ہے۔ پس معلوم شد کہ خرگوش کہ آں را ارنب گویند حلال است در ہدایہ گفتہ است کہ لاباس باكل الارنب زیرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقتیکہ بہدیہ فرستادہ شد نخوردی امر کرد اصحاب را بخوردن آں۔ درمختار میں ہے۔ وحل غراب الزرع والارنب والعقعق۔ بحر میں ہے۔ وحل الارنب لانه عليه الصلوة والسلام امر اصحابه ان ياكلوه حين اهدى اليه مشويا ولانه ليس من السباع ولا ياكل الجيف فاشبه الظبي۔ جب احادیث صریحہ سے اس کی حلت ثابت ہوگئی۔ تو حیض آنے یا نہ آنے کا ذکر ہی بیکار ہے۔ وساوس شیطانیہ کے رفع کرنے کے لئے یہ عمل بہت مجرب ہے۔

۴۔ درود شریف ۱۱ بار۔ استغفار ۱۱ بار۔ کلمہ شہادت ۱۱ بار۔ آخر میں درود شریف ۱۱ بار۔ یہ سب تصور حق کے ساتھ پڑھے جائیں۔ تو فیقہ تعالٰی اوہام شیطانیہ سے نجات ہوگی۔

فتویٰ نمبر ۱۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبر پر جاکر فاتحہ پڑھنا۔ کسی کے نام پر جانور پالنا۔ قبر چومنا۔ پھول چڑھانا۔ اذان میں انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

الجواب

یہ امور مسئولہ مستحب اور حدیث سے ثابت ہیں۔ فاتحہ میں تلاوت قرآن اور صدقہ یا ہدیہ کا ایصال ثواب ہے۔ یہ مسلمان کا مضبوط عقیدہ ہے۔ جس پر کثرت نصوص شرعیہ ناطق ہیں۔ صدقات کو مزارت پر لے جانے سے وہاں پر خدام و فقراء کو دینا مقصود ہے جو صاحب قبر سے مناسبت رکھتے ہیں۔ خواہ ان صدقات کو فاتحہ پڑھنے کے بعد لے جائیں یا وہاں لے جا کر فاتحہ پڑھیں یا بربنا ئے حسن اعتقاد مجاورین مزار سے فاتحہ پڑھا دیں بہرحال وہاں کے مجاورین کے لئے صدقات لے جانے پر اعتراض نہیں۔ کیونکہ اہل حاجت و استحقاق کی طرف صدقات و ہدایا کی نقل شریعت نے ممنوع نہیں فرمائی۔ بلکہ میت کے ساتھ مناسبت رکھنے والوں کے پاس صدقات کا بھیجنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک سے ثابت ہے۔ حضرت ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی وفات کے بعد آپ اکثر بکری ذبح فرماتے اور اس کا گوشت ان پاک بیبیوں کے پاس بھیج دیتے۔ جو حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی خدمت میں حاضر رہا کرتی تھیں۔ مسلم و بخاری میں ہے۔ وربما ذبح الشاۃ ثم یقطعها اعضاء ثم یبعثها فی صدائق خدیجۃ۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ اس قسم کا کھانا ان لوگوں کو بہتر ہے۔ جن سے میت کو محبت و انسیت ہو۔ یہی قبر پر لے جانے کا مقصد ہے۔

ﷺ سائل کے سوال میں کسی بزرگ کے نام کا جانور چھوڑا جاتا ہے۔ اولاً تو چھوڑا جاتا ایسا لفظ ہے جو کوئی مسلمان کسی جانور کے لئے ایسا لفظ بولتے ہی نہیں۔ یہ وہابیہ کی خاص ایجاد ہے۔ ہندو جس جانور کو بتوں کی طرف نسبت کر کے آزاد کر دیتے ہیں کہ نہ اسے کوئی ذبح کر سکتا ہے۔ نہ مار سکتا ہے نہ اپنے کھیت میں سے باہر نکال سکتا ہے۔ اور یہ ان کا طریقہ عبادت ہے۔ اس جانور کے متعلق کہتے کہ یہ جانور فلاں بت کے نام پر چھوڑا ہوا ہے۔ معاذ اللہ کوئی مسلمان یہ نیت کر کے نہیں چھوڑتا بلکہ وہ تو کوئی جانور اس لئے پالتا ہے۔ کہ تاریخ مقررہ پر اس کو ذبح کر کے کھانا پکا کر فلاں بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کرے گا۔ اور مسلمانوں میں اس کو تقسیم کرے گا۔ اس طرح اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا اس پر بزرگان دین کا فاتحہ کرنا جائز اور یہ ذبیحہ درست ہے۔ اس کا گوشت حلال و طیب ہے۔ کیونکہ جب خدا کے نام پر ذبح کیا گیا۔ تو حلال ہوا۔ ذبح سے پہلے اس کو کسی کی طرف نسبت کرنا اس کو حرام نہیں کر سکتا۔ ورنہ دنیا میں کوئی جانور بھی حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ عام طور پر جانور

کی ملک کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ زید کی گائے۔ عمر کی بکری۔ خالد کا اونٹ کہتے ہیں۔ اسی طرح عقیقہ کی بکری۔ قربانی کی گائے عام طور پر بولا جاتا ہے۔ کیا یہ تمام جانور حرام ہوں گے۔ ہرگز نہیں۔ درمختار میں ہے۔ وان ذکر مع اسمہ تعالٰی غیرہ فان وصل کرہ وان فصل صورۃ ومعنًی کدعاء قبل اضجاع والدعاء قبل التسمیۃ او بعد الذبح لاباس بہ۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ وما اھل بہ لغیرہ معناہ ذبح بہ الاسم لغیر اللہ وقت الذبح۔ اسی تفسیر میں ہے۔ وان ذکر مفصولا بان یقول قبل التسمیۃ وقبل ان تضجع الذبیحۃ او بعد لاباس بہ من ھھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ علیہ وقت الذبح وان کانوا ینذرون بہ۔ اس میں صاف تصریح ہو گئی کہ اولیاء کی منت کر کے ان کے نام پر جو جانور پالا گیا اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا وہ جائز ہے۔

۳۔ عوام کے لئے یہی بہتر ہے کہ قبر کو نہ چومیں۔ عالمگیری میں ہے۔ ولا یمسح القبر ولا یقبلہ فان ذالک من عادۃ النصارٰی ولاباس بالتقبیل قبر والدیہ۔ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ ومسح نکند قبر را وبوسہ نہ دہد آں را وخم نشود وروئے خاک نہ مالد ایں عادت نصارٰی است۔

پھول اور چادر بزرگان دین کے مزار پر ڈالنا جائز ہے۔ پھول تو اس لئے کہ وہ ایک تر چیز ہے۔ جس کی تسبیح و تہلیل سے صاحب قبر کو راحت حاصل ہو گی اور زائرین کو خوشبو۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر ایک شاخ کے ٹکڑے کر کے نصب فرما دیئے کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں گے خداوند تعالٰے مدفون پر تخفیف فرمائے گا۔ رواہ ابوداؤد عن ابن عباس۔ ردالمحتار میں ہے۔ ورد فی الحدیث وضع ذالک للاتباع ویقاس علیہ ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الاٰس ونحوہ۔ عالمگیری میں ہے۔ وضع الورود والریاحین علی القبور حسن وان تصدق بقیمۃ الورود کان احسن۔ اور چادر اس لئے کہ اس سے صاحب قبر کی عظمت و وقار مخلوق کے قلب میں پیدا ہوتی ہے۔ نیز اس سے عوام پہچان لیتے ہیں اور جو ادب و احترام اولیاء کا ہے۔ اس کا لحاظ رکھتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ کرہ بعض الفقھاء وضع الستور والعمائم والثیاب علی القبور الصالحین ولکن نحن نقول اذا قصد بہ التعظیم فی عیون العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب القبر ولجلب الخشوع والادب للغافلین الزائرین فھو جائز لان الاعمال بالنیات۔

۵۔ اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں سے لگانا مستحب ہے۔

اس کے دینی و دنیاوی فائدے روایات میں مروی ہیں۔ جو شخص اس کا عامل ہو۔ انشاء اللہ امراض چشم سے محفوظ رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں اس کے شفیع ہوں گے۔ ردالمحتار میں ہے۔ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابہامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائدا لہ الی الجنۃ۔ اس کی پوری تحقیق رسالہ مبارکہ منیر العینین میں اور دیگر کتب علمائے اہل سنت میں دیکھو۔ نیز اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مؤذن اذان میں اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اللہ اکبر کہتا ہے۔ یعنی اخیر جزو میں اکبار کہتا ہے۔ اس صورت میں اذان صحیح و درست ہوگی یا نہیں؟ اگر نہ ہوگی تو اس میں گناہ بھی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کیا؟

۲۔ نیز اقامت میں اشھد ان لا الٰہ الا اشھد ان لا الٰہ الا کہتا ہے اور لفظ اللہ چھوڑ دیتا ہے یہ اقامت صحیح ہے یا نہیں۔ باوجود اس کے اسے تاکید بھی کی جاتی ہے کہ اذان کے الفاظ صحیح کرو اور پورے الفاظ ادا کرو۔ مگر وہ لاپرواہ ہے اور بے اعتنائی سے کام لیتا ہے۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں۔ اور ایسے شخص کی شہادت معتبر ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

از مراد آباد

الجواب

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن اذان صحیح دینے پر قادر ہے۔ کہ پہلی بار تو اللہ اکبر کہتا ہے اور دوسری بار میں اکبار یعنی الحان کے طور پر اکبر میں زیادہ کرتا ہے۔ اس میں کلمات اذان کو بگاڑنا ہے جو سخت منع ہے۔ درمختار میں ہے۔ فلا یقول اللہ آکبر لانہ استفھام وانہ لحن شرعی اسی میں ہے۔ ولا لحن فیہ ای تغنی بغیر کلماتہ۔ ردالمحتار میں ہے۔ ای بزیادۃ حرکۃ

الحرف او مد او غیرھا بحر میں ہے ۔ التلحین ھو اخراج الحروف عما یجوز له فی الاداء من تنقیص فی الحروف او من کیفیاتها او زیادة شئ منها۔ عالمگیری میں ہے ۔ و یکره التلحین وھو التغنی بحیث یؤدی الی تغییر کلماته ۔ لہٰذا اس مؤذن کو ہدایت کرنا چاہیئے کہ اذان درست دے ۔ اگر وہ فہمائش پر بھی نہ مانے تو دوسرا درست خوان مؤذن رکھا جاوے ۔ لیکن چونکہ پورے کلمات اذان ادا ہو گئے اور مقصد اذان یعنی دعوت نماز حاصل ہو گیا ۔ اور کوئی اور موجب اعادہ پایا نہیں گیا ۔ لہٰذا اذان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ۔ رد المختار میں ہے ۔ المقصود الاصلی من الاذان شرع الاعلام بدخول اوقات الصلوٰة ۔ کلمات تکبیر چونکہ پورے ادا نہیں ہوئے ۔ بعض کلمات رہ گئے ۔ لہٰذا اس تکبیر کا اعادہ ضروری ہے ۔ درمختار میں ہے ۔ و یجب استقبالهما لموت مؤذن و غشیه و خرسه و حصره ۔ رد المختار میں ہے ۔ المراد انه اذا عرض للمؤذن ما یمنعه من الاتمام ۔ واللہ اعلم ۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ۔

۱ عورت کی صحت کی خرابی یا کثرت اولاد کے خوف سے مانع حمل ادویہ یا تراکیب کا استعمال جائز ہے یا ناجائز ؟

۲ مرد یا عورت کی طرف سے ضبط تولید کی کوشش کرنا شرعاً کیسا ہے ؟

۳ مسلمان دوا فروشوں کو اس قسم کی ادویہ وغیرہ فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟ جبکہ اس امر کا احتمال موجود ہے کہ کچھ تو فی صدی خریدار ناجائز طور پر ان ادویہ کو استعمال کرنے کے مرتکب ہوں گے ۔

از مراد آباد

الجواب

۱ کثرت اولاد خدائے قدوس کی نعمت ہے ۔ جب تک کہ اس سے کوئی ضرر ناقابل برداشت متصور

نہ ہو۔ اس وقت تک اس کو روکنا ناشکری ہے۔ البتہ اگر صحت حمل کے قابل نہ ہو۔ تو ایسی دواؤں سے استقرار روک سکتے ہیں۔ جن سے قابلیت حمل بالکل نہ جاتی رہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں یہ عزل کی طرح حمل کو روکنے کی ایک تدبیر ہے۔ اور عزل تو با اجازت زوجہ جائز ہے۔ لہٰذا یہ بھی جائز۔ ابن ماجہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کیا۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عزل الحرۃ الا باذنہا درمختار میں ہے۔ ولا یعزل عن الحرۃ لکن فی الخانیۃ انہ یباح فی زماننا لفساد الزمان۔ عزل کے معنی ہیں انزال خارج کرنا۔

مسئلہ ضرورت شدیدہ کی صورت میں اسقاط حمل جائز ہے۔ جبکہ حمل چار ماہ سے کم ہو۔ بلا ضرورت سخت جرم ہے اور چار ماہ کے بعد چونکہ بچہ میں جان پڑ جاتی ہے۔ اس لئے اس کو ساقط کرنے میں اضافہ روح کا جرم ہوگا۔ بجز اس کے عورت کی جان خطرہ میں ہو۔ اور بجز اسقاط کوئی صورت اس کی جان بچنے کی نہ ہو۔ درمختار میں ہے۔ قالوا یباح اسقاط الولد قبل اربعۃ اشہر ولو بلا اذن الزوج۔ شامی میں ہے۔ قال ابن وھبان فاباحۃ الاسقاط محمولۃ علی حالۃ العذر۔ اسی ردالمحتار میں ہے ومن الاعذار ان ینقطع لبنھا ولیس لاب الصبی ما یستاجر بہ الظئر و یخاف ھلاک الولد۔ درمختار کتاب الکراہیۃ میں ہے۔ وجاز لعذر حین لا یتصور

مسئلہ ضبط تولید اگر رحم کو خارج کرکے یا رحم کو بیکار کرکے ہو تو ناجائز ہے کہ اس میں عضو کو معطل کرنا ہے۔ اسی وجہ سے مرد کو خصی کرنا یا خصی ہونا حرام ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس کی اجازت چاہی۔ فرمایا گیا۔ یا ابا ھریرۃ جف القلم بما انت لاق فاختص علی ذالک او ذر۔ اس کے ماتحت مرقات میں ہے۔ لیس ھذا اذنا فی الاختصاء بل توبیخ ولوم علی الاستیذان فی قطع عضو بلا فائدۃ۔ درمختار میں ہے۔ اما خصاء الآدمی فحرام۔ اور اگر ضبط تولید اس طرح نہیں بلکہ صرف رحم کا منہ بند کرکے عارضی طور حمل کو روک دیا جائے یا کسی خاص تدبیر سے نطفہ کو قائم نہ ہونے دیا جاتا ہو تو ضرورۃً جائز ہے۔ صرف اولاد سے بچنے کے لئے ایسا کرنا ناشکری ہے۔ اور بیکار بھی ہے کہ جو روح آنے والی ہے۔ وہ تو آکر رہے گی۔ کما فی الحدیث۔ ردالمحتار میں ہے یجوز لھا سد فم رحمھا کما تفعلہ النساء۔

اس قسم کی دواؤں کا فروخت کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ان کے لئے مصرف حلال موجود ہے اب جو اسے مصرف حرام پر استعمال کرے گا۔ تو وہ خود گنہگار ہوگا۔ نیز خود ان دواؤں سے معصیت قائم نہیں جن سے خود معصیت ہو۔ ان کی بیع ممنوع ہے۔ درمختار میں ہے۔ یجوز بیع عصیر عنب ممن

یعلم أنه یتخذه خمرًا لان المعصیة لا تقوم بعینه بحر میں ہے۔ وجاز بیع العصیر ممن یعلم أنه یتخذه
خمارًا لان المعصیة لا تقوم بعینہ بل بعد تغییر بخلاف بیع السلاح من اهل الفتنة
لان المعصیة تقوم بعینہ قاعدہ یہ کہ جس سے بلاواسطہ گناہ کیا جاوے اس کی بیع حرام ہے۔
جیسے شراب کی تجارت اور جس سے بالواسطہ گناہ کیا جاوے اس کی بیع جائز ہے۔ جیسے شیرہ انگور کی
بیع کہ اگرچہ اس سے شراب بن سکتی ہے۔ مگر اس کی تجارت حلال ہے۔ اسی لئے رنڈی کو کرایہ پر مکان
دینا حلال ہے۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے کل چھ بیٹے ہیں۔
لیکن اس نے صرف ایک بیٹے کو ساری جائداد اور جملہ کاروبار اور سب حقوق سپرد کر دیئے ہیں۔ باقی
پانچ بیٹے حقوق سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ شرعًا شریف میں یہ بیٹے اس شخص کی جائداد وغیرہ
کے حقدار ہیں یا نہیں اور وہ اپنا حق حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں؛ بینوا توجروا۔ (از کراچی)

الجواب

سوال سے معلوم نہ ہوا کہ شخص مذکور نے اپنے فرزند مذکور کو جائداد و دیگر املاک باقاعدہ ہبہ کر دیئے
یا صرف انتظام اس کے سپرد کیا اور اس کو منتظم کار بنا دیا۔ اگر ہبہ کر دیئے ہیں تو یہ ہبہ صحت کی حالت
میں ہوا ہے یا مرض الموت کی حالت میں۔ ان تینوں صورتوں کے الگ الگ احکام ہیں۔ اگر صرف انتظامی
معاملات کا ایک بیٹے کو مختار کیا گیا تو اس سے باقی بیٹے محروم نہ ہوں گے۔ اس کے انتقال کے بعد
تمام بیٹے بطریق مساوی اپنا حصہ لیں گے۔ اگر ہبہ ہے لیکن مرض الموت کی حالت میں۔ تو بھی یہی حکم
ہے۔ کیونکہ مرض الموت کا ہبہ وصیت ہے۔ درمختار میں ہے۔ وهبة مقعد ومفلوج واشل
ومسلول من کل ماله ان طالت مدته ولم یخف موته منه والا فمن ثلثه اور
وارث کو وصیت جائز نہیں۔ حدیث میں ہے۔ لا وصیة لوارث الا ان یجیزها الورثة۔ درمختار میں ہے

ولا لوارثہ۔ اور اگر بحالتِ صحت باقاعدہ ہبہ کر دیا ہے۔ تو اس کا یہ ہبہ درست ہے۔ کیونکہ یہ اپنے مال کا مالک ہے جس کو چاہے دے۔ لہٰذا باقی کچھ نہیں پا سکتے۔ لیکن اگر باقی پانچ بیٹیوں کی نافرمانی کی وجہ سے والد نے ایسا کیا۔ تو اگر والد زندہ ہے۔ تو ان کو چاہیے۔ کہ والد کو بہت جلد راضی کر لیں تاکہ وبالِ آخرت سے بچیں۔ اور اگر بلاقصور والد نے محروم کر دیا ہے۔ تو اگرچہ اس کا عمل شرعاً نافذ ہوا لیکن وہ عنداللہ سخت گنہگار ہوا۔ حدیث شریف میں اولاد کے درمیان مساوات کرنے کا سخت حکم ہے۔ مسلم و بخاری نے حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم۔ ردالمحتار میں ہے۔ ولو وھب شیئاً لاولادہ فی الصحۃ واراد تفضیل البعض علی البعض روی عن ابی حنیفۃ لاباس بہ اذا کانت التفضیل لزیادۃ فضل لہ فی الدین وان کانوا سواء یکرہ۔ درمختار کتاب الہبۃ میں ہے۔ وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم۔ البتہ اگر اولاد میں سے بعض کو ان کے دینی فضل کی وجہ سے کچھ زیادہ دے۔ تو حضرت امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جائز ہے۔ کما ھو ظاھر من العبارۃ المنقولۃ من ردالمحتار۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل معروضہ ذیل کے متعلق:۔

۱۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ میں من کل الوجوہ کون افضل ہے؟

۲۔ اگر کوئی شخص فضائل اختصاص کے اعتبار سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ پر ترجیح اور فضیلت دے۔ تو علمائے احناف کے نزدیک اس کا ایمان صحیح ہے اور اس کی امامت جائز ہے۔ یا نہیں؟

۳۔ روافض (تبرائی) کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا۔ مناکحت کرنا۔ اس کی مجالس میں شریک ہونا مجلس پڑھنا اور روافض کو سید سمجھ کر ان کو قابل احترام سمجھنا کیسا ہے؟

۳ـ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو زید بُرا کہتا ہے۔ اور آپ کی شان میں رضی اللہ تعالٰی عنہ کہنے سے منع کرتا ہے۔ اور بُرا جانتا ہے۔ لہٰذا ایسے اعتقاد کے ہوتے ہوئے زید سُنی المذہب حنفی ہو سکتا ہے۔ یا نہیں؟

۴ـ زید اپنے آپ کو عالم کہتا ہے۔ اکثر میلاد شریف وغیرہ بیان کرتا ہے۔ اور بزعم خود تعزیہ داری و نوحہ و مرثیہ خوانی کی بابت کلام مجید سے ثابت ہونا بتلاتا ہے اور اپنے بیان میں تعزیہ داری کی ترغیب دیتا ہے۔ اور شیعوں کے ماتم میں خود بھی شریک ہو کر ماتم کرتا ہے اور تعزیہ و علم کی تعظیم کرتا ہے۔ ایسے شخص کا بیان سُننا چاہیے یا نہیں؟ اور مذہب حقہ زید کے بارے میں کیا حکم دیتا ہے؟

۵ـ زید ایک شیعہ کو قطب متصرف سمجھتا ہے اور اس کے کمالات و کرامات بیان کر کے لوگوں کو اس کا معتقد بناتا ہے۔ لہٰذا زید کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور کیا کوئی شیعہ (تبرائی) قطب و متصرف ہو سکتا ہے؟

از بریلی

۶ـ سوالات ۱ لغایت ۵ کا اعتقاد رکھنے والا قابل امامت ہے یا نہیں؟

الجواب

۱ـ علمائے امت اس پر متفق ہیں کہ مطلقاً افضل البشر بعد الانبیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں۔ پھر حضرت فاروق۔ پھر حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ صواعق محرقہ میں ہے۔ اعلموا ان الذی اطبق علیہ عظماء الملۃ وعلماء الائمۃ ان افضل ھذہ الامۃ ابوبکر الصدیق ثم عمر الخ ومثلہ فی شرح العقائد۔ من کل الوجوہ افضلیت کا سوال کیا گیا ہے۔ اعتبار افضلیت مطلقہ کا ہے۔ اور عند الاطلاق وہی مراد ہوتی ہے۔ ان حضرات میں سے ہر ایک کو خدا تعالٰی نے فضائل مخصوصہ عطا فرمائے ہیں۔ اور وہ فضیلت مطلقہ کے منافی نہیں۔

۲ـ اگر وہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی افضلیت مطلقہ کا قائل ہوتے ہوئے بعض خصوصیات حضرت علی یا دیگر صحابہ کے ذکر کرتا ہے۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ تو اس سے نہ ایمان میں خلل آتا ہے۔ نہ اُس کی امامت ناجائز۔ کہ تمام صحابہ کرام کسی نہ کسی خصوصیت میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ مثلاً امانت خاصہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور صرف ایک شہادت کا نصاب ہونا حضرت ابی خزیمہ کی۔ اور قرآن کریم میں اسم خاص کے ساتھ ذکر ہونا حضرت زید کی خصوصیات سے ہیں۔ یہ فضائل مخصوصہ جو خدا نے ان حضرات کو عطا فرمائے۔ کوئی وجہ [illegible]

کس طرح انکار کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ایسے خصوصیات کو بیان کر کے مطلقاً کسی ایک صحابی کی فضیلت عوام کے ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔ تو وہ دھوکہ دے رہا ہے اور اپنے باطل مذہب کی ترویج۔ لیکن اگر قائل حضرت مولا علی مرتضیٰ کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہر طرح ترجیح دیتا ہے۔ تو گمراہ ہے۔ کہ عقیدہ اہل اسلام کے خلاف ہے۔ اسی صواعق میں ہے۔ فانه كان يقول ابو بكر خير وعلى افضل منه اريد ان خيرية ابي بكر من بعض الوجوه والافضلية على من وجه آخر يمكن ذلك في محل الخلاف والحاصل ان المفضول قد توجد فيه مزية بل مزايا لا توجد في الفاضل فان اراد شيخ المطلق ذلك فان ابا بكر افضل مطلقا الا ان عليا وجدت فيه مزايا لم توجد في ابي بكر فكلامه صحيح۔

۳۔ تبرائی روافض مرتد ہیں۔ ہندیہ میں ہے۔ یجب اکفار الروافض۔ اسی میں ہے۔ وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحكامهم احكام المرتدين۔ کفار کے ساتھ محبت و تعلقات رکھنا ناجائز ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے۔ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ پارہ ۳۔ نیز ارشاد فرماتا ہے۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ۔ قرآن۔ لہذا روافض سے روابط و محبت جائز نہیں۔ اور ان سے نکاح درست نہیں۔ محض زنا ہوگا۔ رد المحتار۔ عالمگیری بحر میں ہے: رافضی علی سیادت ہرگز سید نہیں۔ اس لئے کہ وہ مرتد ہے۔ اور خدا کا دشمن۔ اگر اسی مذہب رفض پر مرگیا۔ تو جہنم کے اسفل السافلین میں اس کا ٹھکانا ہوگا۔ سیادت اور خلود فی النار کا اجتماع کیسا؟ سید وہ مسلمان ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ہو۔ روافض تو مسلمان ہی نہیں۔ دیکھئے؛ نوح علیہ السلام کے بیٹے کے متعلق ارشاد ہے۔ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ۔

۴۔ یہ گمراہ محض ہے۔ کسی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا بھی عداوت رکھنا بغض حضور سے عداوت ہے۔ اور قرآن کریم کی مخالفت کرنا ہے۔ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ فمن احبهم فبحبي احبهم ومن ابغضهم فببغضي ابغضهم۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت فضائل ہیں۔ وہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو بڑی فضیلت ہے۔ اور حضور کے کاتب و صاحب اسرار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی ہیں۔ مجتہد صحابی ہیں۔ کما قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کما في البخاري۔ انہی کے متعلق حضور نے دعا فرمائی اللهم اجعله هاديا مهديا۔ انہی کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ معاویۃ فی الجنۃ۔ تمام ازواج واہل بیت رسالت نے ان کی توقیر فرمائی۔ ان کے مخلصانہ ہدایا قبول فرمائے۔ ان کی شان میں گستاخی کرنے والا بے ادب بدنصیب ہے۔ ان کے اسم شریف کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور کہنا چاہئے۔ کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی۔

ﷺ زید جو لڑکے کو عالم کہتا ہے اور میلاد شریف پڑھتا ہے۔ اگر وہ علم رکھتا ہے تو اسے عالم کہنا غلط نہیں اور میلاد شریف پڑھنا امر نیک ہے۔ رب کی اطاعت پر مشتمل ہے۔ سبب برکت علاوہ محبت رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ نشانی ایمان ہے۔ رہی تعزیہ داری اور نوحہ جن کو قرآن پاک سے ثابت بتاتا ہے۔ اس کے لئے خود اس کا بیان مسائل کو پیش کرنا چاہئے۔ تاکہ اس کی صحت اور عدم صحت پر حکم دیا جا سکے۔ رہا مجلس روافض میں شرکت اور ان کے ساتھ ماتم کرنا یہ دونوں امر ممنوع اور شرعاً ناجائز ہیں۔ ان سے توبہ لازم ہے۔ زید کو امام نہ بنایا جائے۔ تاوقتیکہ ماتم وغیرہ سے توبہ نہ کرے۔

ﷺ اگر وہ رافضی تبرائی ہے۔ اور کفریہ عقائد رکھتا ہے۔ تو اس کو قطب کیا مومن کہنا بھی درست نہیں۔ اگر زید اس کے کفریات پر مطلع نہ ہو۔ تو اس کی یہ مدح سرائی اور بدمذہب کی ثنا وصفت حرام ہے اگر زید اس رافضی کے عقائد کفریہ پر مطلع بھی ہو اور باوجود اس کے اس کو مومن ہی سمجھے تو خود زید بھی اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ من شک فی عذابہ وکفرہ فقد کفر علامہ کتب۔ کوئی رافضی کبھی قطب اور ولی نہیں ہو سکتا خواہ تبرائی ہو یا غیر تبرائی۔ دونوں نام کے مومن ہیں۔ حقیقت میں دشمن اسلام اور ولایت متقی مسلمان ہی کو حاصل ہو سکتی ہے۔ اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔

ﷺ تفاصیل بیان کر دی گئیں مطالعہ کرو۔ واللہ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتم واحکم۔

فتویٰ نمبر ۲۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک واعظ ہے۔ اکثر عورتوں کو اپنے سامنے بلا پردہ بٹھا وعظ کہا کرتا ہے اور منع کرنے پر احادیث پیش کرتا ہے۔ کہ حدیث سے ثابت ہے کہ عورتیں عیدگاہ اور نمازوں میں جایا کرتی تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب پاک خطبہ عید سے فراغت پاکر

مجمع زناں میں تشریف لے جاتے تھے ۔ حالانکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضور کے ہمراہ ہوتے
تھے اور آپ ان کو صدقہ کی رغبت دیتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ اجنبی عورتوں کا مردوں کے سامنے منہ
کھول کر واعظ کے سامنے آنا جائز ہے۔ نیز آیت پیش کرتا ہے۔ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا
اور کہتا ہے کہ اجنبی عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھولنا جائز ہے باقی جسم کا چھپانا واجب
یہی پردے کے معنی ہیں ۔ فقہاء کے اقوال پیش کرتا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا چہرہ اور
ہتھیلیاں ہاتھ ستر نہیں ۔ اس کے تمام دلائل کتابی شکل میں حاضر خدمت ہیں ۔ ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمائیں ۔
کہ آیا زید کا قول صحیح ہے یا نہیں ۔ اگر نہیں تو ان دلائل کا کیا جواب ہے ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب

اجنبی مرد کا بے پردہ عورتوں کو اپنے سامنے جمع کر کے وعظ کہنا ناجائز ہے ۔ تین وجہوں سے
اولاً تو اس لئے کہ عورتوں کا وعظ سننے کے لئے بے پردہ گھروں سے نکلنا منع ہے ۔ دوسرے اس لئے
کہ اجنبی مرد کا عورتوں کا دیکھنا ناجائز ۔ تیسرے اس لئے کہ ان عورتوں کا اجنبی مرد واعظ پر نظر ڈالنا غیر
درست ۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے ۔ وقرن فی بیوتکن اے نبی کی عورتو اپنے گھر میں رہو تفسیرات
احمدیہ میں ہے ۔ ای قرن فی بیوتکن لا تخرجن منها ولازمن الاقامة فیها ۔ یہ خطاب اگرچہ
ازواج مطہرات سے ہے ۔ لیکن اس کا حکم عام عورتوں کے لئے بھی ہے ۔ جیسا کہ اسی آیت میں ہے ۔
اقمن الصلوٰة واٰتین الزکوٰة واطعن اللہ ورسولہ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو بجز ان
سات ضرورت شرعیہ کے جن کی تفصیل فقہائے فرمائی ہے گھر سے نکلنا جائز نہیں اور شرکت مجلس وعظ
ان سات ضرورت شرعیہ میں سے نہیں ۔ درمختار میں ہے ۔ ویکرہ حضورهن الجماعة ولو لجمعة
وعید ووعظ مطلقًا ولو عجوزًا لیلاً علی المذهب المفتی به لفساد الزمان جب جماعت
نماز کے لئے جو اہم ترین عبادت ہے گھر سے نکلنا عورتوں کا جائز نہ ہوا تو مجلس وعظ میں شرکت
کرنے کے لئے کیوں کر جائز ہوگا ۔ بحر الرائق میں ہے ۔ ولا یحضرن الجماعة لقوله تعالےٰ
وقرن فی بیوتکن ۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰتها فی قعر بیتها افضل من
صلوٰتها فی صحن دارها الخ اسی میں ہے ومن کرہ حضور المسجد للصلوٰة فلان یکرہ
حضورها مجالس الوعظ خصوصًا عند هٰؤلاء الجهال الذین تحلوا بحلیة العلماء
اولیٰ ۔ اسی میں ہے یجوز للخروج ان یاذن لها یاذن لها بالخروج الی سبعة مواضع

زیارۃ الوالدین وعیادتھما وتعزیتھما وزیارۃ المحارم فان کانت قابلۃ او غاسلۃ او کان لھا علی آخر ھا حق تخرج بالاذن وبغیر الاذن والحج علی ھذا۔ باب الامامۃ عالمگیری میں ہے وکرہ لھن حضور الجماعۃ والفتوی الیوم علی الکراھۃ فی کل الصلوٰت لظھور الفساد۔ دیکھو ہمارے فقہاء کس شدومد سے عورتوں کو مجالس وعظ میں شرکت کے لئے نکلنے کو منع فرما رہے ہیں۔ اگرچہ عورت پردہ کے ساتھ برقع اوڑھ کر ہی شرکت کرے۔ جب بھی خلاف احتیاط ہے۔ پھر جائیکہ بے حجاب شرکت کرے۔ یہی وہ احادیث جو مستدل مجوز نے اپنی تائید میں پیش کی ہیں۔ اُن سے اس کا مدعی ثابت نہیں ہوسکتا۔ اولاً تو زمانہ اقدس میں عورتوں کا عید و مجالس وعظ میں شرکت ضروریًا تھا کہ وہ وقت تبلیغ احکام شرعیہ کا تھا۔ عورتیں اگر ان مجالس میں شرکت نہ کریں تو اپنے متعلق احکام شرعیہ کس طرح معلوم کرسکتی تھیں۔ وہ زمانہ بھی نہایت پاکبازی و دینداری کا تھا۔ پھر بھی پردہ کے اہتمام سے اس طرح معلوم کرسکتی تھیں۔ کہ کوئی ان کو پہچان نہ سکتا تھا۔ چنانچہ مسلم و بخاری نے حضرت ام المؤمنین محبوبہ محبوب رب العالمین صدیقہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصلی الصبح فتنصرف النساء متلفعات بمروطھن ما یعرفن من الغلس۔ اس خیر وبرکت کے زمانہ میں اس قدر سخت ضرورت کی وجہ سے اتنی احتیاطوں کے ساتھ عورتوں کے مجالس وعظ میں شرکت کرنے پر اس زمانہ شر وفساد کو قیاس کرنا جہاں ایسی ضرورت بھی نہ ہو خصوصًا بے پردگی کے ساتھ محض قیاس مع الفارق ہے۔ امیر المؤمنین غیظ المنافقین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں عورتوں کو مجالس وعظ وجماعت نماز سے ایک دم روک دیا۔ عورتوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں شکایت کی۔ کہ ہم کو فاروق اس امر خیر سے روک رہے ہیں جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ روکا۔ تو انہوں نے جواب دیا لو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی ما احدث النساء بعدہ لمنعھن کما منعت نساء بنی اسرائیل (بخاری باب خروج النساء الی المساجد باللیل) رد المحتار میں اسی حدیث کو نقل فرما کر فرماتے ہیں۔ وھذا فی نساء زمانھا فما ظنک بنساء زماننا یعنی یہ ممانعت تو اس پاک زمانہ (خیر القرون) میں تھی۔ تو اس زمانہ شر و فتن کی عورتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ فقیر کی یہ مختصر تحریر ان تمام اوہام کو دفع کرنے کے لئے بفضلہ تعالیٰ کافی ہے جو مستدل کو ان عبارات منقولہ سے پیدا ہوگئے۔

دوم اجنبی عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا جائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ امام احمد ترمذی و ابو داؤد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ جس میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی
عنہ سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا انہوں نے عرض کیا ۔ وہ تو نابینا ہیں ۔ ہمیں تو دیکھتے نہیں تو ارشاد
فرمایا کہ تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم بھی انہیں نہیں دیکھتیں مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ کتاب
النکاح قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یا رسول اللہ الیس ھو اعمٰی
لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ ۔ اسی حدیث
کی شرح میں مرقات میں ہے ۔ قیل فیہ تحریم نظر المرأۃ الی الاجنبی مطلقًا و بعض خصہ بحال
خوف الفتنۃ علیہا ۔ شیخ عبدالحق رضی اللہ تعالٰی عنہ اشعۃ اللمعات میں حضرت فاطمہ بنت قیس
رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں ۔ واستدلال کردہ اند بعضے بر جواز نظر امراۃ بر اجنبی
اگر وی نمی بیند او را و قول صحیح کہ جمہور برآنند کہ حرام است از جہت قول حق تعالٰی قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ
یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ۔ و از جہت حدیث ام سلمہ افعمیاوان انتما ۔ شروع باب العدۃ رد المحتار
میں ہے ۔ وجہ الفرق کما فی الھدایۃ ان الشھوۃ علیھن غالبۃ وھو کالمتحقق اعتبارًا

مسئلہ ۔ اجنبی مرد کا اجنبیہ عورت کو دیکھنا حرام ہے نہ اس لئے کہ اس کا چہرہ ستر عورت ہے ۔ بلکہ اس
لئے کہ اس میں خوف فتنہ ہے ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ
حِجَابٍ ۔ یہ آیت بھی ازواج مطہرات کی شان میں ہے لیکن حکم عام ہے تفسیرات احمدیہ میں ہے لان
موردہ وان کان خاصًا فی حق ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن الحکم عام لکل من
المؤمنات فیفھم منہ ان یحتجب جمیع النساء من الرجال ولا یبدین انفسھن علیھم قرآن
کریم میں ہے ۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ بیہقی نے حضرت حسن
سے روایت کی بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ اللہ
لعنت کرے دیکھنے والے پر اور اس عورت پر جسے دیکھے مسلم و بخاری نے حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ
تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل
یا رسول اللہ ارأیت الحمو قال الحمو الموت ۔ امام مسلم نے حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی
عنہ سے روایت کیا ۔ سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نظر الفجاءۃ فامرنی ان اصرف
بصری ۔

ان آیات قرآنیہ و احادیث سے ثابت ہوا کہ اجنبیہ کو اجنبی سے پردہ کرنا ضروری ہے رہی وہ
آیت و احادیث جو مستدل جواز نے پیش کیں ۔ وہ ان کے کلام کی تائید نہیں کرتیں ۔ آیت تو اس لئے کہ

اس میں لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ ہے۔ اس سے استدلال ہے اور یہ استدلال ناقص ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ آیت میں مواضع زینت کے اظہار کی عورت کو اجازت دی گئی ہے۔ کیونکہ اس کے ہر وقت چھپانے میں حرج عظیم ہے۔ اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ مرد کو بھی اس کا دیکھنا جائز ہو۔ یہاں فعل عورت کا ذکر ہے۔ نظر جو فعل مرد ہے۔ وہ کس طرح جائز ہوگا تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ فالمذکور فی الآیۃ ما ھو من جانب المرأۃ دون ما ھو من جانب الناظر واین ھذا من ذالک۔

دوئم اس لئے کہ آیت میں یہ ذکر نہیں کہ محض نماز کے لئے یہ حکم ہے یا خارج نماز کے لئے بھی یا ضرورت کے موقعہ پر یہ حکم ہے یا کہ بلا ضرورت بھی تنہائی کی حالت میں یہ حکم ہے۔ یا اجانب کے سامنے بھی۔ تفسیرات احمدیہ نے بحوالہ بیضاوی فرمایا ولا نظھر ان ھذا فی الصلوۃ فان کل بدن الحرۃ عورۃ لا یحل لغیر الزوج والمحرم النظر الی شیٔ منھا الا لضرورۃ کالمعالجۃ وتحمل الشھادۃ ھذا کلامہ ولا یخفی حسنہ۔ اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے اور مفسرین کے اس قدر اختلاف کے باوجود استدلال کس طرح درست ہوگا۔ رہی وہ احادیث ان سے بھی استدلال تام نہیں۔ کہ ان احادیث سے عورتوں کا صرف عید وغیرہ کے موقعوں پر نمازوں یا مجالس وعظ میں آنا ثابت ہے۔ جس کا جواب ہم اوپر دے چکے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بے پردہ بھی ہوتی تھیں۔ اور مدعا یہی ہے اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بے پردہ بھی حاضر ہوئیں۔ تو ہم دوسروں کو حضور کی ذات کریمہ پر کس طرح قیاس کر سکتے ہیں۔ تمام جہان کی عورتیں حضور کی لونڈیاں ہیں بلکہ اس سے بھی کم قرآن کریم فرماتا ہے۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور کی ولایت ولی اقرب حتیٰ کہ اپنے نفس کی ولایت سے بھی قوی تر ہے لہٰذا حضور پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ نہیں۔ ہم نے وہ احادیث بحمدہٖ تعالیٰ پیش کر دیں۔ جو صراحۃً پردہ کو واجب کر رہی ہیں۔ رہے اقوال فقہاء۔ اولاً تو اس میں خود ہمارے فقہا کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم اوپر حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال تفسیرات احمدیہ سے پیش کر چکے ہیں۔ جن فقہا نے جواز کا حکم دیا ہے۔ وہ شہوت نہ ہونے کی شرط پر موقوف ہے۔ پھر بھی بلا ضرورت مکروہ فرماتے ہیں۔ رد المحتار میں ہے۔ وفی شرح الکرخی النظر الی وجہ اجنبیۃ المرأۃ لیس بحرام ولکنہ یکرہ بغیر حاجۃ وظاھرہ الکراھۃ ولو بلا شھوۃ۔ اس زمانہ کے لئے مطلقاً منع فرماتے ہیں۔ درمختار میں ہے۔ محل النظر مقید بعدم الشھوۃ والا فحرام وھذا فی زمانھم واما فی زماننا فمنع من الشابۃ۔ رد المحتار میں ہے لا لانہ عورۃ بل لخوف الفتنۃ کما قدمہ فی شروط

الصلوٰۃ۔ اسی درمختار باب الشروط میں ہے۔ وتمنع المرأۃ الشابۃ من کشف الوجہ بین رجال لا لانہ عورۃ بل لخوف الفتنۃ۔ ردالمحتار میں ہے۔ لانہ مع الکشف قد یقع النظر الیہا بشہوۃ۔ خوف فتنہ کا اتنا لحاظ کیا گیا ہے کہ صالحہ عورت کو فاسقہ بازار میں پھرنے والیوں کے سامنے یا کافرہ عورتوں کے سامنے بے پردہ آنا منع ہے۔ اسی ردالمحتار میں ہے۔ ولا ینبغی للمرأۃ الصالحۃ ان تنظر الیہا المرأۃ الفاجرۃ۔ درمختار میں ہے والذمیۃ کالرجل الاجنبی فی الاصح فلا تنظر الی بدن المسلمۃ۔ بحر میں ہے۔ قال مشائخنا تمنع المرأۃ الشابۃ من کشف وجہہا بین الرجال فی زماننا للفتنۃ۔ لہٰذا واعظین کو بہت جلد اس رسم کو مٹانا چاہیے۔ ان میں تبلیغ یا تو بذریعہ کتب و رسائل کی جائے یا ذی علم عورتیں غیر ذی علم عورتوں کو احکام سکھا دیں یا نہایت پردہ کے ساتھ واعظ سے بالکل علیحدہ ایک عمارت یا چھت پر پردہ کی آڑ سے کر وعظ و احکام سنیں۔ مگر اس تیسری صورت میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہٗ

فتویٰ نمبر ۲۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زندگی کا بیمہ کرایا گیا ہے و اس میں یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ مل کر ایک انجمن قائم کرتے ہیں اور ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق کچھ رقم جمع کراتا رہتا ہے۔ اور یہ طے ہو جاتا ہے کہ اتنے زمانہ تک یہ رقم جمع کراتا رہے گا اور اس کے بعد اتنا روپیہ انجمن سے حاصل کرے گا۔ اب اگر ایک ہی قسط ادا کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ تو انجمن کو وہ تمام رقم ادا کرنی پڑے گی جو طے ہو چکی ہے۔ مثلاً اگر دس ہزار کا بیمہ کیا۔ اور بیس روپیہ ماہوار ادا کرنے کا تا حین حیات اقرار کیا۔ اب اس کا ایک ہی قسط ادا کرنے کے بعد انتقال ہو گیا۔ تو بھی انجمن کو دس ہزار روپیہ دینا پڑے گا۔ اور اگر سو برس تک زندہ رہ کر مرا تو بھی اتنا ہی روپیہ۔ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔

(۱) تھوڑی تھوڑی رقم جاتی ہے اور اکٹھی رقم آتی ہے۔

(۲) روپیہ محفوظ رہتا ہے اور اپنی اولاد کی طرف سے بے فکری رہتی ہے۔

ایسا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو وہ شرکت ہے یا امانت اور اگر ناجائز ہے تو کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

از اجمیر شریف

الجواب

اگر یہ کمپنی خالص کفار کی ہے۔ اور بعد بیمہ اہل کمپنی اس شخص کو سفرِ حج یا دیگر احکام شرعیہ سے نہیں روک سکتے اور مسلمان کے نقصان کا قوی اندیشہ نہ ہو۔ تو بیمہ کرانا جائز ہے۔ جو فائدہ اس بیمہ کے ذریعہ بیمہ کرنے والا حاصل کرے وہ حلال ہے کہ یہ عقد یا تو عقد ربٰو ہے یا عقد قمار ربٰو۔ تو اس لئے کہ جو رقم بیمہ والے سے کمپنی لیتی ہے۔ وہ یا تو بطور قرض لیتی ہے یا بطور بیع اور دونوں صورتوں میں بیمہ کرنے والا رقم بھی واپس لیتا ہے اور وہ منافع بھی حاصل کرتا ہے جو سائل نے بیان کئے۔ لہٰذا یہ ربٰو ہوا۔ بصورت قرض تو اس لئے کہ کل قرض جر نفعا فھو ربٰو۔ اور بصورت بیع اس لئے کہ یہ منافع خالی عن العوض ہے۔ لہٰذا ربٰو ہے۔ بحر میں ہے فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال درمختار میں ہے۔ ھو فضل خال عن العوض مشروط لاحدھما فی المعاوضۃ۔ نیز اسی درمختار میں ہے۔ فدخل ربٰو النسیۃ والبیوع فکلھا من الربا۔ قمار اس لئے کہ قمار میں ایجاب مال علی شرط الفلبۃ ہوتا ہے۔ (قاموس) اسی میں ہے کہ اگر صاحب بیمہ کی زندگی دراز ہوئی تو کمپنی کا غلبہ ہوا کہ اس کے پاس رقم زیادہ پہنچی۔ اور اگر اس کی عمر کم ہوئی تو اس کو نفع ہوا کہ رقم کم پہنچی اور زیادہ ہاتھ آئی اور تمام عقود فاسدہ خواہ بیع بالشرط ہو یا ربٰو یا قمار۔ ان کے ذریعہ کفار حربیہ سے اگر مسلمان کو نفع ہو تو جائز ہے اور اگر کفار کو ہو تو نا جائز۔ بحر میں ہے۔ ای لا ربٰو بینھما فی دار الحرب عندھما خلافا لابی یوسف وفی البنایۃ وکذا اذا باع خمرا وخنزیرا او میتۃ او قامرھم واخذ المال کل ذالک یحل لہ۔ اسی میں ہے لا یخفی انہ انما اقتضی حل مباشرۃ العقد اذا کان الزیادۃ ینالھا المسلم۔ درمختار میں ہے۔ ولا بین حربی ومسلم لان مالہ ثمہ مباح فیحل برضاہ مطلقا بلا عذر۔ ردالمحتار میں ہے۔ حتی لو باعھم درھما بدرھمین او باعھم میتۃ بدراھم او اخذ مالا منھم بطریق القمار فذالک کلہ طیب والزیادۃ للمسلم۔ اور شرعاً یہ عقد عقدِ شرکت نہیں کہ شرکت میں مال شرکت تو متعین و معلوم ہونا چاہئے اور مال اور غیر متعین غیر معلوم ہونا چاہئے۔ شرکت میں خبر نہیں ہوتی کہ نفع ہوگا یا نقصان۔ اور اگر نفع ہو تو کتنا اور اگر نقصان ہو تو کس قدر مگر یہاں معاملہ برعکس ہے کہ جو رقم بیمہ والے کو دے گی۔ وہ تو معلوم ہے۔ مگر جو رقم کمپنی کو حاصل ہوگی وہ مجہول ہے کہ بروقتِ شرکت کسی کو خبر نہیں کہ اس شخص سے کتنا روپیہ وصول ہوگا۔ اگر موت جلد واقع ہوگی۔ تو روپیہ کم وصول ہوا۔ بصورت دیگر زیادہ۔ اگر اس شخص نے بغرض شرکت بھی روپیہ

دیا ہو تب بھی شرکت فاسد ہے کیونکہ مقرر کر دیا گیا ہے کہ اتنا روپیہ واپس ہوگا اور شرکت فاسدہ قرض ہو جاتی ہے۔ در مختار میں ہے۔ وتفسد باشتراط دراهم مسماة من الربح لاحدهما لقطع الشركة۔ رد المحتار میں ہے۔ وذالك يقطعها فتخرج الى القرض او الى البضاعة۔ اور قرض امانت ہے۔ واللہ اعلم

فتویٰ نمبر ۲۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں کے اوقاف میں کسی حاکم یا غیر حاکم کو یہ اختیار ہے یا نہیں کہ وہ شرائط واقف کے خلاف کوئی کارروائی وقف میں کرے یا واقف کے مقرر کردہ متولی کو متولی ہوتے ہوئے معزول کر کے کوئی کمیٹی مقرر کریں جسے وقف کے انتظامات سپرد ہوں اگر نہیں تو یہ زبردستی مداخلت فی الدین ہے یا نہیں؟

۲۔ وقف جائداد کے سابق مقرر کردہ لگان میں کمی کر دینا جس سے آمدنی کم ہو جائے جائز ہے یا نہیں؟ نیز وقف کی آمدنی میں سے ایک بڑی رقم لے کر قائم کردہ نیا دفتر یا کمیٹی یا بورڈ پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وقف کی آمدنی سے چندہ یا ٹیکس لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ از جھنگ

الجواب

۱: شرائط واقف کی مخالفت شرعاً جائز نہیں۔ حتی کہ سلطان اسلام اور قاضی وغیرہ کسی کو درست نہیں، چہ جائیکہ غیر مسلم حکومت کو۔ واقف کی شرطیں نصوص شرعیہ کی طرح شرعاً واجب العمل ہیں۔ رد المحتار میں ہے۔ ما خالف شرط الواقف فهو مخالف النص وهو حكم لا دليل عليه وهو موافق لقول مشائخنا كغيرهم شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه۔ در مختار میں ہے۔ شرط الواقف كنص الشارع اى فى المفهوم والدلالة ووجوب العمل به۔ واقف نے جس کو متولی قرار دیا ہے قاضی یا حکومت اپنی رائے سے معزول نہیں کر سکتے۔ نیز اگر متولی سابق جس کسی کو اپنا قائم مقام کر کے انتقال کر گیا ہو تو اس کے بھی معزول کرنے کا حکومت یا کسی اور کو حق نہیں۔ اگر حکومت کسی کو متولی کر بھی دے تب بھی اس کی تولیت شرعاً جائز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر واقف نے کسی کی نسل کے لئے تولیت مقرر کر دی تو اس نسل میں رہے گی۔ حکومت یا کسی کو اس سے تولیت نکالنا جائز نہیں ہے۔ رد المحتار میں ہے۔ اقامات المتولى المشروط له بعد الواقف فالقاضى ينصب غيره وشرط فى المجتبى ان لا يكون المتولى اوصى لآخر عند موته فان اوصى لا ينصب القاضى۔ عالمگیری میں ہے۔ شرط الواقف ان يكون المتولى من اولاده واولاد اولاده هل للقاضى ان يولى غيره بلا خيانة ولو ولاه هل يكون متوليا قال الشيخ الاسلام برهان الدين لا۔ لہٰذا مسلمانوں کے اوقاف میں خلاف منشا واقفین تصرف کرنا یا متولی

مقرر کر کے تولیت سے علیحدہ کرنا ناجائز اور مداخلت فی الدین ہے۔

ملے تحقیقات اوقاف کے وقائع سے مصارف مجوزہ کمیٹی کے اخراجات بذریعہ فیس یا چندہ وقف سے وصول کرنا ناجائز ہے۔ واقف نے وقف کے جو مصارف مقرر کر دیئے ہیں۔ ان کے سوا دوسرے مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں وقف کے سابق نگران یا متولی کو الگ کرنے سے وقف کا نقصان ہے اور جو چیز بھی وقف کو مضر ہے ناجائز ہے۔

ردّ فتویٰ نمبر ۲۷ مولوی کفایت اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مدرسہ امینیہ دہلی کا فتویٰ جو مفتی کفایت اللہ کی تصحیح سے طرق ایصال ثواب تیجہ دسواں بیسواں چالیسواں سہ ماہی برسی وغیرہ کے متعلق تحریر کیا گیا ہے۔ بالکل غلط و باطل ہے۔ اس میں مفتی نے لکھا ہے کہ ان میں سے کوئی فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ تابعین تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں۔ اس سے مفتی کی کیا مراد ہے۔ آیا یہ کہ ان امور کی اصل ثابت نہیں یا کہ ہیئات ثابت نہیں۔ بہ تقدیر اول غلط کہ ان تمام امور کی اصل طاعات سے ایصال ثواب کرنا ہے۔ اور بالیقین قولاً و فعلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور عقائد اہل سنت میں سے ہے۔ شرح عقائد میں ہے۔ وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتہم ای صدقۃ الاحیاء عنہم ای عن الاموات نفع لہم ای للاموات۔ اور احادیث کثیرہ سے ایصال ثواب ثابت ہے۔ اس کو یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ صحابہ کرام نہ تابعین نہ تبع تابعین اجمعین سے نہ ائمہ مجتہدین سے کذب محض اور افتراء خالص اور بہتان ہے۔ دنیا میں ایسا مفتی بھی موجود ہے جس کو یہ خبر نہیں کہ ایصال ثواب خود حضور سے ثابت ہے۔ حضور کے اصحاب و اتباع کا معمول ہے یہ علم اور فتوے نویسی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ ہیئات ثابت نہیں تو اس پر دلیل شرعی قائم کرنی ہوگی کہ کسی چیز کی مشروعیت کے لئے اس کے جملہ خصوصیات و ہیئات کا اثبات بھی ضروری ہے۔ ایسا ہو تو قرآن کے اعراب اس کے پارے منزلیں رکوع وغیرہ مقرر کرنا اور کتب احادیث جمع کرنا اور ضبط احوال رواۃ یہ سب بدعت ہوں گے تدوین علوم دینیہ و تفاسیر قرآن و مدارس اسلامیہ سب ممنوع ہو جائیں گے کہ یہ امور مع اپنی خصوصیات و ہیئات کے زمانہ اقدس میں ثابت ہی نہیں۔ لہٰذا کسی شق پر بھی مفتی کا کلام صحیح نہیں۔ اس کے بعد مفتی نے لکھا ہے کہ جو چیز خود یا اپنی مثال اور نظیر کے ساتھ خیر القرون میں کسی وقت پائی جائے۔ اس کو حکم شرعی سمجھا جائے۔ وہ بدعت اور ضلالت ہے۔ اور اس کا مرتکب گنہگار ہے۔ مفتی صاحب مثل و نظیر سے کیا مراد لیتے ہیں۔ یہی کہ اس شے کی بعینہٖ نقل خیر القرون میں نہ ہو۔ تب تو ان کی فتوے نویسی

بھی بدعت کہ اس طرح کا فتویٰ دیا۔ جو ہر پہلو نا خیر القرون میں کیا تھا۔ حدیث صحیحہ ہی بدعت۔ ایسے مدرسہ ان خصوصیات و ہیئات کے ساتھ خیر القرون میں کب پائے گئے تھے۔ اور اگر یہ خصوصیات ملحوظ نہیں تو ایصال ثواب بیشک پایا گیا تھا۔ ہندوستان میں سبیل لگائی جاتی ہے۔ شربت اور پانی پلایا جاتا ہے۔ زمانہ نبوی میں کنواں بنا کر ایصال ثواب کیا گیا تھا۔ اس صورت میں امور مذکورہ کو بدعت قرار دینا جہل اور باطل ہے۔ پھر بدعت میں خیر القرون کی قید کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔ اور اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ خیر القرون میں اگر کوئی امر حادث ہو۔ خواہ کیسا ہی ہو بدعت ہو ہی نہیں سکتا یہ کہئے تو رفض و خروج کچھ بھی بدعت نہ ہو اور روافض و خوارج اہل بدعت نہ ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں زمانہ تابعین میں پیدا ہو چکی تھیں۔ مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ اس کو حکم شریعت سمجھا جائے۔ اس سے ان کا کیا مطلب ہے آیا یہ کہ اس کو مباح سمجھا جائے۔ رخصت سمجھا جائے جب بھی حکم شرعی کا مصداق اس پر ہو گیا یا یہ کہ اس کو ان خصوصیات و ہیئات کے ساتھ مطلوب اور مامور سمجھا جائے۔ یہ معنی کبھی مفتی صاحب کے تصور میں بھی نہ آئے ہوں گے فقط لکھتے ہیں اور معنی نہیں سمجھتے۔ اس کی تو مفتی صاحب کو تکلیف دیجئے کہ وہ حکم شرعی سمجھنے کا مقصد بیان کریں مگر اس کا یہ حکم اس کے سارے فتوے کو باطل کرتا ہے کیونکہ مفتی نے اس کے اوپر لکھا ہے کہ تمام رسومات بعد کے لوگوں کے اختراعات ہیں۔ تو جو چیز بقول مفتی رسوم میں داخل ہے اور اس کے عامل اس کو رسوم سمجھ کر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ حکم شرعی نہیں سمجھی گئی لہذا مفتی کے نزدیک بھی بدعت نہیں ہوئی لہذا مفتی کا اس کو بدعت اور قابل ترک اور اس کے مرتکب کو گنہگار بتانا غلط اور باطل ہوا۔ اور ایسے باطل حکم کو جا بجا اپنے دل سے گھڑا ہو۔ بصورت مفتی لکھ کر بظاہر بتا کر یہ حکم شرعی ہے۔ ایسی بدعت سیئہ ہے۔ جس پر اس مفتی کی تعریف پوری صادق آتی ہے۔ آخر میں مفتی صاحب نے لکھا ہے۔ لہذا یہ تمام رسوم بدعات ہیں۔ اور ان کا ترک کرنا اور ان کے ترک کرانے میں کوشش ہر مسلمان پر لازم ہے۔ بحمد اللہ خوب واضح ہو چکا کہ امور مذکورہ ثابت الاصل ہیں۔ ان کے بدعت ہونے کا حکم باطل ہے۔ پھر ان کے ترک کرنے اور کرانے کی کوشش کرنا منع غیر ہے۔ آگے جو حدیثیں لکھی ہیں۔ من احدث فی امرنا الحدیث اور کل بدعۃ ضلالۃ الحدیث اور ومن رای منکرا الحدیث ان کے معانی مفتی صاحب سمجھے یا نہ سمجھے مگر کانگرس کا اتباع اور اس کی ہر امر میں موافقت اور اپنی انگلی کو کانگرس طواغیت کے اشارہ ابرو پر نثار کر ڈالنا۔ یہ تمام چیزیں مفتی صاحب کی نظر میں ان احادیث میں سے کسی حدیث کا مصداق نہیں بنتیں۔ اللہ تعالیٰ حق کو حق سمجھنے حق بولنے حق ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتہ و هو ارحم الراحمین ۔

احمد یار خان غفرلہ

فتویٰ نمبر ۲۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

۱۔ کسی کافر کے ہاتھ مسلمان کا ذبح کیا ہوا گوشت بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً مراد آباد سے رامپور کسی دوست کے پاس کسی کافر نوکر یا قلی کے ہمراہ گوشت بھیجا جائے اور مسلمان ہمراہ نہ ہو۔

۲۔ یا ایسا شکار ذبح پوست وغیرہ کر کے بھیجا جائے کہ جس کا حل ثابت و ظاہر ہے؟

۳۔ پکا ہوا سالن یا حلوہ مٹھائی وغیرہ بھیجنے کا کیا حکم ہے؟

۴۔ اگر کسی نے بھیجا تو اس کو کیا کیا جائے؟ بینوا بالکتاب وتوجروا الی یوم الحساب

الجواب

گوشت و دیگر اشیاء کافر کے ہاتھ بیشک بھیجنا جائز ہے اور جس کے پاس بھیجا گیا۔ اس کو ان چیزوں کو کھانا حلال ہے اس لئے کہ کافر کا یہ کہنا کہ تمہارے دوست کا بھیجا ہوا ہدیہ ہے معاملات کی ایک خبر ہے اور معاملات میں خبر کافر معتبر ہے۔ در مختار میں ہے ویقبل قول الکافر ولو مجوسیا قال اشتریت اللحم من کتابی فیحل او قال اشتریتہ من مجوسی فیحرم واصلہ ان خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات شامی میں ہے۔ ان قولہ شریتہ من المعاملات وثبوت الحل والحرمۃ فیہ ضمنی فلما قبل قولہ فی الشراء ثبت ما فی ضمنہ۔ ہاں کافر سے گوشت خریدنا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ یہی کہے کہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے۔ اس لئے کہ یہ امر دیانات کی ہے جو کہ کافر سے مسموع نہیں۔ لہٰذا اس میں اور پہلی صورت میں فرق ہے کما ثبت بالعبارۃ المذکورۃ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتم واحکم

فتویٰ نمبر ۲۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چلتی ہوئی ریل میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ۲۔ اگر وقت نماز جا رہا ہے اور ریل کے رکنے کی توقع بھی نہیں یا ریل رکتی تو ہے لیکن اتنی کم مدت کہ اس وقت میں فرض ادا ہونا ممکن نہیں ہے نیز اگر کسی نے پڑھ لی تو کیا کیا جائے گا؟ ۳۔ مسافر کا کام اتنا ضروری ہے کہ اگر دوسری گاڑی سے جاتا ہے تو مقصود سفر ہی فوت ہوا جاتا ہے یا دوسری گاڑی ملتی ہے۔ یا کام ضروری ہو کہ

اختلاف سیر کے نہ جا و ہو جائے تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے۔ ۵ اس مسئلہ کو کشتی پر قیاس کرنے میں کونسی قباحت ہے؟
۶ اس مسئلہ کو قافلہ کے مسئلہ پر قیاس کریں گے یعنی جیسے وہاں چلتے اونٹ پر نماز جائز ہے۔ یہاں جائز ہوگا یا نہیں؟

[illegible]

الجواب

۱ نماز فرض و واجب اور سنت فجر چلتی ہوئی گاڑی میں ناجائز ہے۔ اور نفل و دیگر سنتیں جائز۔ اس لئے کہ ان فرض وغیرہ میں مکان کا ایک رہنا اور قبلہ کی طرف نمازی کا منہ رہنا شرط ہے۔ اور چلتی ہوئی ریل اور دیگر سواریوں میں یہ دونوں باتیں مفقود ہیں۔ لہٰذا کسی چلتی ہوئی سواری پر یہ نمازیں جائز نہیں۔ بجز کشتی و جہاز کے۔ درمختار میں ہے۔ ولو صلی علی دابة في شق محمل وهو يقدر على النزول لا تجوز الصلاة عليها وهذا كله في الفرض والواجب بانواعه وسنة الفجر واما النفل فتجوز على المحمل والعجلة مطلقاً۔ ردالمحتار میں ہے۔ والحاصل ان كلا من اتحاد المكان واستقبال القبلة شرط في الصلاة غير النافلة۔ عالمگیری میں ہے۔ ولا تجوز المكتوبة على الدابة الا من عذر وكذا الواجبات مثل الوتر والمنذور۔ شامی میں ہے۔ اذا كانت العجلة على الارض ولم يكن شئ منها على الدابة وانما لها حبل تجرها الدابة به تصح الصلاة عليها او كانت سائرة في هذه الحالة لا تصح الصلاة عليها بلا عذر (ملخصاً)

۲ اس صورت میں آخر وقت تک ریل کے رکنے کا انتظار کرے۔ جب وقت جاتا دیکھے تو پڑھ لے اور بعد میں بوقت موقع قضا کرے کہ ریل کا نہ ٹھہرنا ان اعذار میں سے نہیں جن سے نماز سواری پر جائز ہوتی ہے۔

۳ اس کا جواب اوپر گزر گیا۔

۴ اس مجبوری سے سفر غیر ضروری منع نہ ہوں گے کیونکہ نماز کی صورتیں اس میں ممکن ہیں۔ کما لا یمنع من الجماع فاقد الماء

۵ کشتی پر ریل کا قیاس صحیح نہیں کہ وہ پانی پر چلتی ہے اور ریل زمین پر اور کشتی بھی اگر کنارہ پر ٹھہری ہو اور اترنا ممکن ہو تو کشتی میں بھی یہ نمازیں جائز نہیں۔ عالمگیری میں ہے۔ وان كانت السفينة مربوطة ويمكنه الخروج عنها لم تجز الصلاة فيها۔

۶ اونٹ کا حکم بھی یہی ہے کہ نفل نماز اس پر جائز ہے۔ اور فرض وغیرہ ممنوع بلکہ اونٹ تو اگر کھڑا ہو جب بھی اس پر فرض وغیرہ نمازیں جائز نہیں۔ بخلاف ریل اور دیگر چار پہیوں والی گاڑی کے کہ اگر کھڑی ہوں تو ان پر نماز جائز کہ یہ مثل تخت کے ہیں لہٰذا ان کا اونٹ پر قیاس کیسا؟ اور قیاس سے کیا فائدہ؟

فتوی نمبر ۳۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجھ کو ۳۰۰ روپیہ سرکار سے پنشن ملتی ہے۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ اپنی پنشن میں سے دس روپیہ سرکار کے ہاتھ فروخت کر دوں۔ اس کی قیمت اپنے لڑکے کی شادی میں خرچ کروں از روئے شرع اب جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

پنشن گورنمنٹ کی طرف سے ایک انعام ہے جو گورنمنٹ کی طرف سے کارگزار ملازموں کو دیا جاتا ہے۔ کل پنشن یا بعض کے بدلے میں نقد روپیہ لینا حقیقت میں انعام کے عوض دوسرا انعام لینا ہے۔ گویا تبدیل انعام بالانعام ہے۔ نہ یہ بیع ہے اور نہ رشوت لہذا اس میں کوئی قباحت نہیں۔ کما فی العربیۃ فانھا مبادلۃ بھبۃ یا زیادہ سے زیادہ ایک حق (پنشن) بعوض چھوڑنا ہے اور حقوق تابع بعوض مال چھوڑنا جائز ہیں العرف بخلاف حقوق وانع ضرر کے۔ در مختار میں ہے۔ فیفتی بجواز النزول عن الوظائف بمال شامی میں ہے یجوز اخذ العوض علی وجہ الاسقاط للحق۔ اسی میں ہے ھذا احق جعلہ لدفع الضرر وذالک حق فیہ صلۃ فلا جامع بینھما فافترقا۔ الاشباہ والنظائر میں ہے۔ قد تعارف الفقھاء بقاھرۃ النزول عن الوظائف بمال یعطی لصاحبھا وتعارفوا ذالک فینبغی الجواز۔ بہرحال یہ عمل جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

فتوی نمبر ۳۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صحیح تاریخ ولادت باسعادت کیا ہے۔ آیا یکم ربیع الاول یا ۹ یا ۱۲۔ علامہ شبلی مرحوم نے ۱۲ ربیع الاول سے انکار کیا ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانی نے ۹ ربیع الاول کو ترجیح دی ہے اس میں ترجیح کس تاریخ کو ہے اور کس پر اتفاق ہے۔

الجواب

تمام اہل سیر و تاریخ اس پر متفق ہیں۔ کہ روز ولادت باسعادت دو شنبہ مبارک ہے۔ اختلاف تین چیزوں میں ہے۔ اولاً یہ کہ سال کون سا تھا۔ دوم یہ کہ مہینہ کیا تھا۔ سوم یہ کہ تاریخ کیا تھی۔ سال کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ سال فیل تھا۔ ہلاکت اصحاب فیل سے پچپن دن کے بعد ولادت مبارکہ ہوئی۔ لہذا اپریل ۵۷۰ء تھی۔ مہینہ کے بارے میں چھ قول ہیں۔ محرم۔ صفر۔ ربیع الآخر۔ رجب۔ رمضان۔ لیکن صحیح ربیع الاول ہے۔

تاریخ کی بابت سات قول ہیں۔ ۲-۸-۹-۱۰-۱۲-۱۷-۱۸-۲۲۔ ان سب میں مشہور تر اور معمول بہ قول بارہ کا ہے۔ لہٰذا قابل عمل و قبول یہ قول ہے کہ ولادت مبارکہ ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ مطابق اپریل ۵۷۱ء بوقت صبح صادق ہوئی اور اسی پر اہل عرب و عجم کا اتفاق ہے۔ اور اہل تاریخ اسی کا اعتقاد کرتے ہیں۔ چنانچہ حرمین شریفین میں اسی تاریخ میں محفل میلاد شریف کا انعقاد ہوتا ہے۔ اور اسی تاریخ میں اہل مکہ مکرمہ مولد پاک مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ مدارج میں فرماتے ہیں کہ مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود و در دوازدہم ربیع الاول بود بعضے گفتہ اند کہ بعد تحقیق گذشتہ بود بعض ہشت شب کہ گذشتہ و نزد بعضے دہ آمدہ و قول اول اشہر و اکثر است و عمل اہل مکہ بر ایں ست در زیارت کردن ایشاں موضع ولادت و دریں شب و خواندن مولود۔ مواہب و زرقانی میں ہے۔ فقیل ولد لثلثین خلتا منہ وقیل لثمان خلت منہ وقیل اثنا عشر من ربیع الاول وعلیہ عمل اھل مکۃ قدیما وحدیثا فی زیارتھم موضع مولدہ فی ھذا الوقت ای ثانی عشر ربیع الاول وقیل لسبع عشرۃ ربیع الاول وقیل ثمان عشرۃ والمشہور انہ صلی اللہ علیہ وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول وھو قول محمد ابن اسحٰق وغیرہ قال ابن کثیر وھو المشہور عند الجمہور وبالغ ابن الجوزی وابن الجزار فنقلا فیہ الاجماع وھو الذی علیہ العمل تاریخ ترجمہ ابن خلدون سوم صفحہ میں ہے۔ جمہور مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ عبد اللہ ابن عبد المطلب کے انتقال کے چند مہینہ بعد بارھویں ربیع الاول کو عام الفیل کے پہلے برس پچپن روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اس میں حاشیہ پر ہے۔ عام الفیل ۵۷۱ء کے مطابق ہے۔ اسی میں حاشیہ پر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔ بغرض قابل اعتماد و مشہور ترین روایت یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول دوشنبہ صبح صادق ہوئی۔ ۹ ربیع الاول کا کسی نے قول نہیں کیا۔ جیسا کہ اوپر کی روایتوں سے معلوم ہوا۔ مولوی منظور صاحب کا ۹ کو ترجیح دینا جہالت ہے۔ جب ۹ کا قول ہی نہیں تو ترجیح کیسی۔ زیادہ تحقیق اعلیٰحضرت قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ نطق الہلال میں دیکھو۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۳۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جدید طریقہ فوٹوگرافی سے جاندار کی تصویر کھینچنا یا کھنچوانا جائز ہے یا ناجائز۔ اگر جائز ہے تو کیوں؟ اور ناجائز ہے تو کیوں؟ اور اگر ناجائز ہے تو شرعاً کھینچنے اور کھنچوانے والے کا کیا حکم ہے۔ اور ضرورت شدیدہ میں جیسے پاسپورٹ وغیرہ کے موقع پر فوٹو کھنچوانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جاندار کی تصویر کھینچنا یا کھنچوانا مطلقاً ناجائز ہے۔ خواہ قلم سے کھینچی جائے یا فوٹو سے لی جائے یا مٹی لوہے پتھر وغیرہ کی بنائی جائے۔ مسلم و بخاری نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرمائی۔ ان اصحاب ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لھم احیوا ما خلقتم۔ انہی بخاری و مسلم نے روایت کیا اشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یضاھئون بخلق اللہ۔ نیز انہی بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی۔ اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون۔ بخاری میں ہے۔ من صور صورۃ عذب بہ۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ فان کنت لابد فاعلا فاصنع الشجر ومالا روح فیہ۔ درمختار میں ہے۔ ھذا کلہ فی اقتناء الصورۃ اما فعل التصویر فھو غیر جائز مطلقا لانہ مضاھاۃ لخلق اللہ۔

ان احادیث و عبارات فقہیہ سے معلوم ہوا کہ جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً ناجائز ہے۔ بنانے والا سخت گنہگار ہے اور مستحق عذاب۔ فوٹو کو آئینہ کی صورت پر اس لئے قیاس کرنا کہ ان دونوں میں صورت خود بخود چھپ جاتی ہے اور فوٹوگرافر اس میں کوئی عمل نہیں کرتا غلطی ہے اس لئے کہ ان دونوں میں چند وجہوں سے فرق ہے۔ اولاً آئینہ میں صورت دیکھنے سے وہ تصویر مقصود نہیں بلکہ اپنے چہرہ کے نقائص و عیوب یا خوبیاں معلوم کرکے نقائص کو دور کرنا ہے۔ لہٰذا اس کو تصویر سازی کہنا ہی بے جا ہے۔ بخلاف فوٹو کے کہ اس میں صورت ہی مقصود ہے۔ دوم آئینہ کی صورت کو بقا نہیں۔ جہاں مقابل سے ہٹایا۔ صورت غائب ہو گئی۔ فوٹو کی صورت باقی ہے اور باقی رہنے والی صورت کشی حرام ہے۔ سوم اگرچہ فوٹو میں صورت خود بخود آتی ہے۔ لیکن اس کو باقی رکھنے کے لئے عمل کیا جاتا ہے اس کو صاف کیا جاتا ہے۔ جو کہ ہمارے فعل ہیں۔ چہارم۔ فوٹو کے یا تصویر کے حرام ہونے میں حکمت یہ ہے کہ مشرکین اس کی پرستش کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کا بنانا منع کر دیا گیا اور چونکہ غیر جاندار کی پرستش نہیں ہوتی۔ اس کی اجازت دی گئی۔ فوٹو اور قلمی تصویر کی یکساں پرستش کی جاتی ہے بلکہ فی زمانہ مشرکین فوٹو ہی کی زیادہ پرستش کرتے ہیں۔ آئینہ کی صورت نیز دھوپ یا چاندنی کا سایہ پوجا نہیں جاتا لہٰذا فوٹو حرام ہے کہ اس میں حکمت ممانعت موجود ہے۔ اور آئینہ وغیرہ میں صورت دیکھنا جائز کہ اس میں علت حرمت مفقود۔ اسی لئے پیپل کے درخت یا آفتاب یا چاند یا آگ کی تصویر حرام نہیں۔ کہ اگرچہ یہ تمام چیزیں پوجی جاتی ہیں۔ اس لئے ان کی اصل کی پرستش ہے۔ لیکن ان کی تصویر کی پرستش نہیں۔ اگر جاندار تصویر کا سر غائب کر دیا تو اب اس کا رکھنا مضر نہیں۔ نیز اگر جاندار کے صرف جسم کی تصویر قلم سے بنائی سر نہ بنایا تو جائز اور صرف سر و چہرہ کا نقشہ بنایا تو حرام کہ صرف سر و چہرہ کی پرستش ہے۔ صرف جسم کی نہیں۔ ردالمحتار میں مقطوع الراس کے تحت میں ہے۔ لانہا لا تعبد بدون الراس عادۃ وقید بالراس لانہ لا اعتبار بازالۃ الحاجبین اوالعینین

لانہ تعبد بید ونہما ۔ اسی شامی میں ہے ۔ فان قیل عبد الشمس والقمر والکواکب والشجرۃ الخضر امتلنا اعلیہ فلا اقتناله ۔ یعنی تصویر کی ممانعت نص سے ثابت ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک کا آئینہ میں ملاحظہ فرمانا بھی نقل سے ثابت ہے ۔ کما فی الحدیث لہذا پانی اور آئینہ کی شکل کا جواز تو نص میں آگیا ۔ فوٹو کے جواز کے لئے کون سی نص ہے ۔ لہذا یہ تصویر ہی کے حکم میں داخل رہے گا ۔ تصویر کھینچنے والے کے احکام مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہو گئے ۔ کہ ان کے لئے سخت عذاب ہے ۔ وہ شریعت کے مجرم ہیں ۔ ان سے قیامت میں کہا جائے گا کہ ان تصویروں میں جان ڈالو ۔ یہ لوگ مرتکب حرام ہیں ۔ تاوقتیکہ اس سے تائب نہ ہوں ۔ ان کو امام نہ بنایا جائے ۔ نیز تصویر کھچوانا بھی اسی جرم میں داخل ہے ۔ لانہ اعانۃ علی المعصیۃ ومباشرۃ لہ ۔ اور ضرورت شرعیہ کے موقعہ پر تو ہر جگہ مستثنیٰ رہتے ہیں کہ ۔ الضرورات تبیح المحظورات ۔ واللہ اعلم ۔

فتویٰ نمبر ۳۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ذیل کی آیات کی تحریر کردہ تفسیر درست ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

والشمس وضحٰہا ۝ والقمر اذا تلٰہا ۝ قسم ہے اس رخ انور کی جس کا فیض خاص وعام ہے ۔ قسم ہے اس رخ جمال کی جس کی شیدا ہر جان ہے ۔ یٰایہا المزمل ۝ اے سایہ رحمت رکھنے والے صاحب جمال پر (کمبل کی صورت میں) یٰایہا المدثر ۝ اے سایہ رحمت رکھنے والے اسلام پر (چادر کی صورت میں) الٓمّٓ ۝ الف اللہ ۔ لام جبریل میم محمد ۔

الجواب

توجیہات مذکورہ ان آیات کی تفسیر نہیں ہے بلکہ تاویلیں ہیں ۔ ان میں کسی قسم کی قباحت نہیں ۔ بالکل درست اور صحیح ہیں ۔ اس قسم کی تاویلیں اور توجیہیں مفسرین کرام کرتے ہیں ۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے ۔

فقالوا مثلا فی الٓمّٓ الف اللہ ولام جبریل ومیم محمد یعنی ارسل اللہ جبریل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالقرآن او الف انا واللام اللہ والمیم اعلم یعنی انا اللہ اعلم ۔ اسی طرح روح البیان میں والضحٰی واللیل اذا سجٰی کی توجیہ یہ بھی کی ہے ۔ یا اشارت ست بروشنی روئے حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وکنایت ست از مویہائے وے صلی اللہ علیہ وسلم سہ

والضحٰی رمز روئے چو ماہ مصطفیٰ   معنی واللیل گیسوئے سیاہ مصطفیٰ !!!

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں دو طالب علم قیام پذیر ہیں اور مسجد مذکورہ میں ایک حجرہ بے جوان کو رہنے کے لئے دیا گیا ہے۔ اور طالب علمان مذکورہ کے پاس دو عدد چارپائیاں ہیں جن کو کبھی اندر اور کبھی باہر بچھا لیتے ہیں اب ان چارپائیوں کو انہوں نے مسجد کے اندر بچھانا شروع کیا ہے اور لالٹین میں مٹی کا تیل پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ اخبار بینی کرتے ہیں۔ یہ فعل ان کا جائز ہے یا ناجائز اور ان کے اس فعل سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے یا نہ؟

از مستفتی وہ۔

الجواب

مسجدیں نماز و عبادت کے لئے ہیں۔ ان میں کوئی دنیاوی کام بلا ضرورت جائز نہیں اور اگر ضرورتاً کسی کام کی اجازت دی جائے گی تو بقدر ضرورت۔ نیز اس کا ادب و احترام بہت ضروری ہے اور مسجد میں سونا مسافر اور معتکف کے سوا کسی کو جائز نہیں ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویکرہ اکل ونوم الا المعتکف وغریب۔ طلباء اگر پردیسی ہوں اور دوسری جگہ سونے کا انتظام نہ ہو سکے۔ تو ان کو مسجد میں سونا جائز ہے۔ لیکن چارپائی بچھانا ضرورت سے زائد کام ہے اور مسجد کے ادب کے خلاف۔ اس لئے جائز نہیں۔ اگر کوئی مسجد میں میز وغیرہ لگائے تو ضرور اسے روکا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ فعل ادب مسجد کے خلاف ہے۔ اسی طرح چارپائی کا بچھانا بھی آداب مسجد کے خلاف ہے۔ لہذا منع کیا جائے گا۔ اسی طرح مسجد میں مٹی کا تیل جلانا بھی جائز نہیں کہ مٹی کا تیل بدبودار چیز ہے۔ مسجد میں لانا جائز نہیں۔ لہسن و پیاز کھا کر جس کی منہ سے بو آتی ہو مسجد میں آنا منع ہے بخاری میں ہے۔ الحدیث الصحیح فی النہی عن قربان اکل ثوم والبصل المسجد۔ اسی میں ہے۔ ویلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل مالہ رائحۃ کریہۃ ماکولا او غیر ماکول۔ ہاں اگر کسی صورت سے مٹی کے تیل کی بدبو اڑا دی جائے یا اس طرح لیمپ وغیرہ میں بند کیا جائے کہ اس کی بدبو ظاہر نہ ہو تو جائز ہے۔ مسجد میں اخبار بینی اگر دینی ضرورت کی وجہ سے ہو تو جائز ہے ورنہ منع کہ یہ دنیاوی فعل ہے۔ جیسے دنیا کی باتیں مسجد میں کرنا منع ہے اسی طرح یہ بھی منع۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حج لائن پر جو جہاز چلتے ہیں وہ سندھیا کمپنی کے ہیں یہ ایک ہندو کمپنی ہے اور اس نے جدہ میں اپنا دفتر قائم کیا ہے۔ زمانہ حج میں اس کے دفتر کے کمرے اور صحن وغیرہ میں بھی ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کی اسلام دشمنی جس حد پر پہنچ چکی ہے وہ ظاہر ہے کہ انہیں مسلمانوں کی کسی تباہی پر

بھی صبر نہیں اور وہ مرحوم مسلمانوں کو برباد کرنے کی سرگرم کوششوں میں مشغول ہیں۔ ان کی زبانوں سے ان کے ناپاک ارادوں کا اظہار بھی ہو چکا ہے۔ کہ معاذ اللہ کعبہ معظمہ پر اپنا جھنڈا گاڑیں گے۔ اور اپنے دین باطل کی تبلیغ کریں گے۔ عدن میں پیشتر پہنچ چکے ہیں۔ اور ان کی سیاہ کاری وہاں کے مسلمانوں کا اسی طرح شکار کر رہی ہے جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کو برباد کر چکی ہے۔ عراق میں بھی ہندو پہنچ گئے ہیں۔ اور اپنے دین باطل کی دھن میں ہیں۔ ان حالات میں اندیشہ ہے کہ اگر سندھیا کمپنی کے جہازوں میں حاجی سفر کرتے رہے اور چندہ ان کا مستقر بن گیا تو عنقریب عرب ان کی سیاہ کاری سے بہت جلد تباہ ہو جائیں گے اور ان کی املاک واراضی اور بلاد مقدسہ کی زمینیں ان کے قبضہ میں آ جائیں گی۔ اور جس طرح فلسطین میں یہودیوں کی آبادی عربوں کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔ اس سے بدرجہا زیادہ مصیبت حجاز کی سرزمین میں پیدا ہوگی۔ ان خطرات کے پیش نظر مسلمانوں کو [illegible] وغیرہ سندھیا کمپنی کے جہازوں میں سفر کرنے کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بلاد عرب خصوصاً حجاز مقدس کی سرزمین پاک زادھا اللہ تعالیٰ عزۃ وعظمۃ وصانھا عن کل فتنۃ وحفظ اھلھا من شر کل ماکر وکائد بجاہ حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و مشرکین سے محفوظ رکھنا اور ان کی دست برد سے بچانا بہت اہم ہے اور اہم واجبات میں سے ہے کیونکہ کفار و مشرکین نجس ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ انما المشرکون نجس اور ملک عرب خصوصاً حجاز مقدس پاک اور مرکز اسلام ہے۔ ان نجس لوگوں کے خطرۂ تسلط سے اس سرزمین کو بچانا بہت اہم ہے۔ نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری عہد مبارک میں جزیرہ عرب کو کفار و مشرکین سے پاک کرنے کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ صحیح مسلم و صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ لما اشتد برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ قال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب۔ اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی مرضہ الذی مات فیہ لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب۔ اسی طرح سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مؤطا میں حضرت عمر بن عبد العزیز سے روایت کی۔ بلغنی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یبقین دینان بجزیرۃ العرب۔ مسلم نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاخرجن الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب حتی لا ادع فیھا الا مسلما۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین سے جزیرہ عرب کو پاک کرنے کا تاکیدی حکم دیا۔ اسی فرمان عالی شان پر عمل کرتے ہوئے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلاد عرب سے تمام کفار کو

نکال دیا حتیٰ کہ ملک عرب میں صرف مسلمان ہی رہے۔ موطا امام محمد میں ہے۔ فاخرج عمر من لم یکن مسلمًا من جزیرۃ العرب بہذا الحدیث۔ فتح القدیر میں ہے۔ قال ابن شہاب ففحص عمر ذالک حتی اتاہ الیقین عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب فاجلی یہود خیبر واجلی یہود نجران وفدک۔ یہاں تک کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کفار تاجروں کو بھی مدینہ منورہ میں تین دن سے زائد ٹھہرنے کی اجازت نہ دی۔ اسی موطا میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے۔ ان عمر ضرب للنصاری والیہود والمجوس بالمدینۃ اقامۃ ثلث لیال یتسوقون ویقضون حوائجہم۔ ولم یکن احد منہم یقیم بعد ذالک۔ درمختار میں ہے ویمنعون من استیطان مکۃ والمدینۃ لانہما من ارض العرب قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یجتمع فی ارض العرب دینان ولو دخل للتجارۃ جاز ولا یطیل۔ ردالمحتار میں ہے۔ افاد ان الحکم غیر مقصور علی مکۃ والمدینۃ بل جزیرۃ العرب کلہا کذالک۔ بحرالرائق میں ہے۔ وفی ارض العرب یمنعون من ذالک فی امصارھا وقراھا لقولہ علیہ السلام لا تجتمع دینان فی جزیرۃ العرب وشمل کلامہ المواضع کلہا۔ اسی بحر میں ہے۔ وفی التاتارخانیۃ یمکنون من المقام فی دار الاسلام۔ وہ بعایت عامۃ الکتب۔ الا ان یکون من امصار العرب وارض الحجاز۔

ان احادیث صحیحہ و عمل صحابہ کرام و عبارات فقہائے کرام سے کالشمس والامس قطعی طور پر معلوم ہوا کہ ملک عرب کو کفار و مشرکین سے محفوظ رکھنا شرعاً بہت ضروری ہے۔ اگر وہاں پہلے سے آباد ہوں تو ان کو نکالنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ چہ جائیکہ ان کے پہنچنے کے اسباب کو تقویت دینا اور اس کا ذریعہ بننا۔ اب چونکہ سندھیا کمپنی کے جہازات سے حاجیوں کو سفر کرنے میں وہ زبردست خطرات موجود ہیں۔ جو مستفتی نے بیان کئے۔ اس لئے مسلمانوں کو کسی طرح درست نہیں کہ اس میں سفر کر کے اس کمپنی کو تقویت دیں۔ اور مشرکین کو عرب میں قدم جمانے اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے جال پھیلانے میں مدد و معاون ثابت ہوں۔ جب کہ ہم اپنی ذاتی جائیداد و املاک کو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رکھتے ہیں اور اس کے لئے ہر کوشش عمل میں لاتے ہیں۔ تو حجاز مقدس کی زمین پاک کی حفاظت اور اس کو خطرات سے بچانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے لئے ہمارے ذمہ اہم فرض ہے۔ اس میں کوتاہی کرنا اور تغافل برتنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ نہ قرین عقل و دانش ہے۔

سندھیا کمپنی کے جہازات سے یا جس سے یہ خطرات ہوں سفر قطعاً ترک کر دینا چاہیے اگرچہ اس میں بہ نسبت اور جہازوں کے زیادہ آسائش بھی ہو۔ کیونکہ اپنی آسائش کی غرض سے سرزمین مقدس کے لئے خطرات کو گوارا نہیں کیا

جا سکتا۔ مگر مسلمانوں نے سندھیا کمپنی کے جہازات میں سفر ترک نہ کیا اور اس کو طاقت پہنچاتے رہے۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ انہوں نے خود سرزمین پاک میں ہندوؤں کے قدم جمائے اور انہیں تبلیغ کفر و تخریب بقعہ پاک پر مدد دی۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

ان حالات میں مناسب تو یہ ہے کہ مسلمان اپنی جہاز کمپنی قائم کر کے اس میں سفر کریں۔ کہ اس عمل سے خطرات سے بھی امن ہو گا اور ایک مفید تجارت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آ جائے گی۔ جس وقت تک اپنی جہاز کمپنی تیار نہ ہو اس وقت تک مغل لائن سے سفر کریں تاکہ سندھیا کمپنی ناکام ہو اور ہندوؤں کے منصوبوں کو وجود میں آنے کا موقع نہ ملے۔ مارین کمپنی میں بھی اگرچہ غلبہ نصاریٰ کا ہے۔ اور مسلمانوں کے حصے بہ نسبت ان کے کم ہیں۔ لیکن یہ کمپنی مدت سے کام کر رہی ہے اور ایک زمانہ کے تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنے تجارتی منافع کے علاوہ اس طرف نظر نہیں ڈالتی جو ہندوؤں کا مطمع نظر ہے۔ اور خطرات اور اندیشہ سندھیا کمپنی سے ہیں۔ اس کے وجوہ مارین کمپنی سے نہیں پائے جاتے لہٰذا باقتضاء اذا ابتلیت ببلیتین فاختر اھونھما بحالت موجودہ سفر حج مارین کمپنی میں کیا جائے اور مسلمانوں کو سندھیا کمپنی کے جہازوں میں سفر کرنے سے بکوشش روکا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں گرمیوں کے موسم میں عام طور پر لوگ مساجد کی چھتوں پر چڑھ کر نماز پڑھتے ہیں اور جماعت ہوتی ہے۔ کیا مسجدوں کی چھت پر نماز کے لئے چڑھنا بلا کراہت جائز ہے؟ اور گرمی اس کے لئے عذر ہو سکتی ہے۔ بعض لوگ اس مسئلہ میں ضد کرتے ہیں۔ اس لئے کتاب کا حوالہ مع عبارت تحریر فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر مسجد کے اعلیٰ حصہ پر عمارت نہ ہو اور چھت محض سقف مسجد ہو تو اس پر بلا ضرورت چڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں مسجد کی بے ادبی ہے۔ نیز زیریں حصہ مسجد میں گرمی ہونا عذر نہیں۔ ہاں اگر اس حصہ میں گنجائش نہ رہی اور آدمی زیادہ ہیں تو چڑھنا جائز ہے۔ غنیہ شرح منیہ میں بحث تراویح میں ہے۔ وکذا الوصل علی سطح المسجد فی شدة الحر ای یکرہ لقولہ تعالیٰ قل نار جہنم اشد حرا لو کانوا یفقہون کبیری میں غنیہ سے نقل کیا۔ امام یصلی التراویح علی سطح المسجد اختلف فی

کراھیتہ والاولیٰ ان لا یصلی علیہ عند العذر فکیف بغیرہ عالمگیری کتاب الکراہیت میں ہے۔ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ۔

درمختار میں ہے۔ ثم رأیت القہستانی نقل عن المفید کراھۃ الصعود علی سطح المسجد ویلزمہ کراھۃ الصلوٰۃ ایضا فوقہ۔ شامی کتاب الصلوٰۃ آداب المسجد۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ مسجد کی چھت پر چڑھنا اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں مسجد کی بے ادبی ہے۔ ضرورت شدیدہ کے وقت الضرورات تبیح المحظورات۔ کی بنا پر جائز ہوگا گرمی سے بچنا راحت حاصل کرنا ہے۔ یہ وہ ضرورت نہیں۔ جس سے ایک ممنوع شے کو مباح کیا جا سکے۔ لہٰذا گرمی سے بچنے کے لئے چڑھنا ممنوع ہے۔ اور اگر چھت کی مرمت وغیرہ کرنا ہے یا کہ مسجد میں نماز کی جگہ بالکل نہ رہی۔ تو جائز ہے۔ کراہت اسی صورت میں ہے۔ جب کہ مسجد کی چھت پر کوئی عمارت نہ ہو۔ کیونکہ اب وہ جگہ محض چھت ہے۔ لہٰذا اس پر چھت کے احکام جاری ہوں گے۔ اور بصورت دیگر وہ جگہ اوپر کی عمارت کا صحن وغیرہ ہے۔ اس لئے اس جگہ پر جانا محض چھت پر جانا نہیں بلکہ بالائی منزل کے صحن وغیرہ میں جانا ہے۔ لہٰذا جائز ہے۔ اس لئے کہ از تحت الثریٰ تا سما مسجد مسجد ہے درمختار لانہ مسجد الی عنان السماء۔ اس کے باوجود مسجد کے نیچے تہ خانہ مصالح مسجد کے لئے اور اوپر اس کے بالاخانہ یا امام کے رہنے کے وقت تعمیر مسجد مکان بنانا جائز ہے۔ بحر میں کتاب الوقف میں احکام المسجد میں ہے۔ بخلاف ما اذا کان السرداب او العلو موقوفاً لمصالح المسجد فانہ یجوز۔ اسی مقام پر ہے۔ لو بنی بیتا علی سطح المسجد لسکنی الامام فانہ لا یضر لکونہ مسجدا لانہ من المصالح اسی میں ہے اذا بنی مسجدا او بنی غرفۃ وھو فی یدہ فلہ ذالک۔ درمختار میں ہے۔ واذا جعل تحتہ سردابا لمصالحہ جاز کمسجد القدس۔ اسی میں ہے۔ لو بنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح۔ ردالمحتار میں ہے۔ بخلاف ما اذا کان السرداب و العلو موقوفاً لمصالح المسجد فھو کسرداب بیت المقدس۔ تو اب اگر مطلقاً سطح مسجد پر چڑھنا ہر حال میں مکروہ ہو تو تہ خانہ والی کے فرش پر آنا منع ہوگا کیونکہ وہ جگہ تہ خانہ کی چھت ہے۔ اور امام کو اس رہنے کے مکان میں جانا منع ہوگا کیونکہ یہ جگہ سقف مسجد ہے حالانکہ یہ دونوں امر جائز۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مسجد کی خالی چھت پر چڑھنا منع اور اگر اوپر عمارت ہو تو جائز۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خان نعیمی

فتوی نمبر ۳۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے سسر سے بیوی کی رخصتی مانگی سسر نے کہا کہ دو مہینے کے بعد رخصتی ہوگی۔ رخصتی مانگنے والا نشہ میں تھا۔ ایک دوسرے شخص سے اس نے کہا کہ ہم نے جواب دے دیا میری چیز دلوا دیجئے۔ اس کے بعد ہی پھر اس نے اپنے سسر سے کہا کہ میری چیز دے دیجئے۔ ہم نے طلاق دے دیا۔ اس کے بعد اس نے ایک خط لکھا مجھ کو کہ ہم نے اپنی بیوی کو نشہ میں طلاق دے دیا ہے اب ہم رجوع کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے دریافت کرتے ہیں کہ صورت مسئولہ میں طلاق ہوا یا نہیں۔ اگر ہوا تو رجوع ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر رجوع ہو سکتا ہے تو اس کی کیا ترکیب ہے۔ مفصل لکھیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں ایک طلاق واقع ہوگئی کیونکہ نشہ والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے ــــ وفی التتارخانیہ طلاق السکران واقع اذا سکر من الخمر والنبیذ وھو مذھب اصحابنا۔ اب اگر اس کی عورت پہلے اپنے شوہر کے پاس رہ چکی ہے تو طلاق رجعی واقع ہوئی کہ عدت کے اندر اگر چاہے بغیر دوبارہ نکاح کئے ہوئے رجوع کر سکتا ہے۔ درمختار میں ہے۔ ان الصریح نوعان صریح رجعی وصریح بائن فالاول ان یکون بحروف الطلاق بعد الدخول ــ رجوع کرنے کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ منہ سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کیا اپنی بیوی سے اور بہتر یہ ہے کہ اس پر گواہ بنائے اور بیوی کو خبر بھیجے۔ درمختار میں ہے۔ ھی استدامۃ الملک القائم فی العدۃ بنحو راجعتک ورددتک الی ان قال وندب اعلامھا وندب الاشھاد بعدلین۔ ردالمحتار میں ہے۔ فالسنی ان یراجعھا بالقول ویشھد علی رجعتھا ویعلمھا۔ لیکن اگر وہ بیوی اس شوہر کے پاس نہیں آئی۔ صرف نکاح ہی ہوا ہے یا آئی تھی مگر طلاق دیئے ہوئے بہت دن ہو گئے کہ عورت کی عدت گزر گئی۔ تو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ اگر عورت اس مرد کے پاس آچکی ہے اور طلاق کو دیئے ہوئے اتنا عرصہ نہیں گزرا کہ جس میں عدت گزر جائے تو رجوع کر سکتا ہے۔ رجوع کے لئے اتنا منہ سے کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے اپنی اس بیوی سے رجوع کیا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:۔

(۱) عشرہ محرم میں تعزیہ داری جو کہ ہندوستان میں رائج ہے جس میں طرح طرح و علم و ماتم و نوحہ وغیرہ ہوتا ہے اہلسنت کے نزدیک جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۲) شریعت مطہرہ نے عشرہ محرم کس طرح گزارنے کا حکم دیا ہے؟

(۳) کیا شوکت اسلام کے لئے تعزیہ داری جائز ہے؟

(۴) اس کی اصلیت کیا ہے اور ابتدا کیونکر اس ملک میں ہوئی؟

الجواب

فی زمانہ مروجہ تعزیہ داری بہت سے محرمات اور خرافات پر مشتمل ہے اس لئے یہ مروجہ تعزیہ داری ناجائز ہے۔

(۱) اکثر تعزیوں میں جاندار براق اور پریاں وغیرہ کی تصاویر ہوتی ہیں اور تصویر بنانا اور تصویر کو عزت و احترام سے رکھنا دونوں ناجائز ہیں۔ بخاری و مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت فرمائی۔ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل مصور فی النار یجعل لہ بکل صورۃ صورھا نفسا فیعذبہ فی جہنم۔ انتہی بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرمایا۔ ان اصحاب ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لھم احیوا ما خلقتم۔ انتہی بخاری و مسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے فرمایا۔ اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ فان کنت لابد فاعلا فاصنع الشجر ومالا روح فیہ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تصویر سازی سخت حرام اور باعث عذاب الٰہی ہے۔ نیز بخاری و مسلم میں سیدنا ابو طلحہ سے روایت کیا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولا تصاویر۔ نیز سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یترک فی بیتہ شیئا فیہ تصاویر الا نقضہ ان روایات سے معلوم ہوا کہ تصویر رکھنا (خصوصیاً بعزت و احترام) منع ہے۔

(۲) بیت چیت خرچ کرکے تعزیہ بنایا جاتا ہے۔ پھر اس کو توڑ پھوڑ کر دفن کر دیا جاتا ہے جو مال کا ضائع کرنا ہے اور اسراف ہے جو حرام ہے قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۔

وقال نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قیل وقال اسراف وکثرة السوال واضاعة المال۔ (۳) بہت سی جگہ تعزیہ کے ساتھ سینہ کوبی اور نوحہ ہوتے ہیں جو سخت غضب الٰہی کا باعث اور بدترین جرم ہے۔ ابوداؤد میں سیدنا ابوسعید خدری سے روایت کیا۔ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحة والمستمعة۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والوں اور نوحہ کو (بہ رضا) سننے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ نیز سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلم و بخاری نے روایت کی۔ لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاهلیة۔ ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تتبع جنازة معها رانة۔ نیز نوحہ اور دیگر طریقے سے اظہار بے صبری کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ نیز فرماتا ہے۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ قرآن پاک تو مصیبت کے وقت صبر اور نماز کا حکم دے اور ہم بے صبری کا اظہار کریں۔

(۴) تعزیہ کے ساتھ باجے گاجے ہوتے ہیں۔ اور باجہ بجز چند موقعوں کے دوسری جگہ حرام ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ مع کل مزمار شیطٰن نیز در مختار میں ہے۔ استماع صوت الملاهی کضرب القصب ونحوه حرام لقوله علیه السلام استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق والتلذذ بها کفر ای بالنعمة سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں صوت اللهو والغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات۔ یعنی گانے باجے کی آواز دل میں نفاق پیدا کرتی ہے۔

(نوٹ) اگر غور کیا جائے تو تعزیہ مروجہ یزیدیوں کے فعل کی نقل اور ایک طرح کی اظہار خوشی ہے۔ اس لئے کہ یزید پلید نے سید الشہداء شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر شہر بشہر پھرایا۔ اسی کی نقل یہ تابوت گھڑ کر علم بنا کر اس کو گشت کرایا گیا۔ یزیدیوں نے اس اپنی ظاہری فتح کی خوشی میں کھیل کود اور دیگر خرافات کام کئے۔ ان جہلاء بے دینوں نے ماتم کے نام سے اچھل کود کر کے ان کی نقل اتاری۔ غرضیکہ یہ طریقہ اظہار غم کا عقلاً ونقلاً کسی طرح درست نہیں۔ حقیقت میں اگر یہ اظہار غم کا طریقہ ہوتا تو ہم سے زیادہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و دیگر پسماندگان اہل بیت کو صدمہ و غم ہوا۔ ان سے ضرور منقول ہوتا۔ حالانکہ کہیں ثابت نہیں۔ کہ ان حضرات نے کسی طرح کھیل کود اور باجے بجا کر شہروں میں گشت کیا ہو۔ بہرحال یہ فعل یزید کی نقل ہے۔ نہ کہ فعل سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ روافض جو کہ حقیقت میں قاتلین سیدنا امام حسین علیہ السلام ہیں۔ اور یزیدیوں کی یادگار گریہ کھیل

کر کے اپنے کو محب اہل بیت کہتے ہوں۔ مو قع یزید کی خوشی میں ان افعال شنیعہ کے مرتکب ہوں تو ہوں۔ ایک سنی غلام اہل بیت وصحابہ کرام کس طرح ان افعال کا مرتکب ہو کر یزیدیوں میں شامل ہو سکتا ہے۔

(۲) عشرہ محرم میں عبادات کی کثرت کریں۔ خدا تعالیٰ توفیق دے تو پورے دس دن ورنہ کم از کم نویں دسویں کو روزہ رکھیں۔ اس زمانہ میں ذکر سید الشہداء کی مجالس منعقد کر کے صحیح روایات واقعہ کربلا پڑھیں کہ صالحین کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ بکثرت سبیلیں لگائیں۔ کھچڑا حلیم وغیرہ بنا کر حضرت سید الشہداء کی جناب میں ایصال ثواب کریں۔ بکثرت صدقہ وخیرات کر کے ان کی روح مجہ فتوح کو ثواب پہنچائیں۔

(۳) دور حاضر میں مصلحت یہ ہے کہ تعزیہ داری سے مذکورہ بالا محرمات اور افعال شنیعہ کو نکال دیا جائے۔ اور اصل جلوس باقی رکھا جائے۔ کیونکہ اس اجتماع سے اور خصوصاً جلوس وغیرہ ودیگر ہنر کے اظہار سے کفار کے قلوب پر مسلمانوں کی ہیبت اور اسلام کی شان وشوکت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر تعزیہ داری میں سے وہ امور جو اوپر مذکور ہوئے نکال دیئے جائیں اور صرف روضہ پاک کا نقشہ بنایا جائے تو اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان سے ثابت ہوا۔ بلکہ اس کا رکھنا باعث برکت ہے۔

(۴) ایک تاریخی سوال ہے۔ جس کا تعلق فتویٰ سے نہیں۔ مشہور یہ ہے کہ تیمور لنگ کے زمانے سے اس کی ابتداء ہوئی۔

فتویٰ نمبر ۳۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ خدا فرما چکا قرآن کے اندر میرے محتاج ہیں پیرو پیغمبر۔ بکر نے روک دیا کہ کلمہ کفر یہ ہے۔ عام مجلس میں مسلمانوں کو گمراہ کرتا ہے۔ قرآن پاک میں محتاج کا لفظ پیرو پیغمبروں کے واسطے خصوص کہیں نہیں آیا۔ بلکہ خطاب کے ساتھ وارد فرمایا ہے۔ محتاج کا لفظ نہایت گستاخانہ ہے۔ باقی ہر مخلوق خدا کی محتاج ہے۔

(۱) کیا زید اپنے عقیدہ اور قول میں سچا ہے؟ اور کوئی آیت قرآن پاک میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہو میرے محتاج ہیں پیرو پیغمبر۔

(۲) کیا بکر اپنے قول وعقیدہ میں سچا ہے اور محتاج کا کلمہ کفر یہ ہے؟ اور قرآن پاک میں کس آیت کے ترجمہ میں محتاج کا لفظ ہے۔ مدلل جواب عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے۔ از رودلی شریف ضلع بارہ بنکی

الجواب

زید بے عقیدہ اپنے قول میں کاذب محض ہے۔ قرآن کریم پر بہتان باندھتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے ـــــ

مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ ۔ جو شخص کسی ایسی بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے جو حضور نے نہ فرمائی ہو وہ جہنمی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حدیث گھڑنا گناہ ہے۔ زید ایک غلط بات گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ نہ تو قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں جو زید کہتا ہے اس لئے کہ خاص پیر و پیغمبر کے ذکر کے ساتھ محتاج ہونا قرآن کریم میں مذکور نہیں اور نہ جس مقصد سے زید کہتا ہے۔ وہ مقصد قرآن سے حاصل۔ اس لئے کہ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ تمام مخلوق خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت سے خدا کے نیاز مند ہیں۔ کوئی بھی اس سے بے نیاز نہیں۔ اس مقصد کو آیت اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ہُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ میں بیان فرمایا گیا۔ یعنی شان بندگی میں تم سب کے سب خدا کے نیاز مند ہو۔ لیکن زید اس مقصد سے نہیں کہتا۔ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی خدا داد قدرت و ملکیت و وجاہت و روائی خلق کا انکار کرے اور ان کو اپنی طرح کا محتاج اور مجبور محض بندہ بتائے اور ان سے مرادیں مانگنے کو روکے۔ جیسے اگلے شعر میں اس طرح کہا ہے ؎

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے ٭ جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

اور جیسے اس کے پیشوا اسمٰعیل نے تقویۃ الایمان میں کہا۔ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ ایک چیز کا بھی مالک و مختار نہیں۔ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ انبیاء کی اپنے بھائی کی سی عظمت کرے۔ یہ مضمون نہ قرآن میں ہے نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم تو انبیاء کرام کی عظمت اور خداداد قدرت اور ملکیت کے خطبے فرما رہا ہے۔ اور ہم کو بتا رہا ہے کہ تم سب انبیاء کرام کے محتاج ہو ان کی عظمت اور ان کو اپنا مثل نہ سمجھنے کو داخل فی الدین قرار دے رہا ہے۔ اس صورت میں اگر وہ ہماری طرح محتاج ہیں تو آیات قرآنیہ میں تعارض ہوگا۔ اور ہم اور وہ مرتبہ میں برابر ہو جائیں گے۔ قرآن کریم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ارشاد فرماتا ہے۔ وَکَانَ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْہًا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتا ہے۔ اَغْنٰہُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ ۔ اللہ و رسول نے ان کو اپنے فضل سے مالدار کر دیا۔ معلوم ہوا کہ رسول ایسے غنی ہیں کہ اشارۂ چشم میں لوگوں کو غنی فرما دیتے ہیں۔ فرماتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّہُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَہُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَہُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۔ جس سے معلوم ہوا کہ مجرم و گنہگار اپنی مغفرت میں حضور کے محتاج ہیں کہ شفاعت فرمادیں تو گناہ معاف ہوں۔ غرضکہ ہر طرح ثابت ہوتا ہے کہ تمام عالم انبیاء کا محتاج ہے اور انبیاء تمام مخلوق کے محتاج الیہ۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ۔ آپ کا رب آپ کو اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ فرماتا ہے۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْہِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰہَا ۔ ہم آپ کے چہرہ انور کے آسمان کی طرف اٹھنے کو دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں۔ جسے آپ چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جو مرضی محبوب ہوتی ہے وہ امرالٰہی ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ زید کا قول محض باطل اور توہین انبیاء پر مشتمل ہے بعد عمرو کا اعتراض نہایت حق اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۴۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نماز کا پابند نہیں بلکہ نماز قضا کر دیتا ہے اور مقتدیوں کو یہ معلوم نہیں بلکہ عمرو کے علم میں ہے۔ زید جمعہ کی نماز پڑھانے جایا کرتا ہے۔ تو اس صورت میں عمرو مقتدیوں کو اس کی حالت سے مطلع کر دے یا نہیں؟

(۲) زید کے ہاتھ پر چوٹ لگی ہے جس سے کان تک ہاتھ نہیں پہنچتا تو زید کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

از مراد آباد

الجواب

جو شخص مذکورہ امام کے اس عیب سے واقف ہو۔ وہ ایسے شخص کو اپنا امام نہ بنائے کہ یہ شخص تارک صلوٰۃ فاسق ہے۔ اور فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے۔ در مختار میں ہے۔ ویکرہ تنزیہا امامۃ عبد واعرابی وفاسق۔ لیکن جو لوگ کہ اس امام کے اس عیب سے واقف نہ ہوں۔ ان پر اس کے فسق کو ہرگز ظاہر نہ کرے کہ یہ غیبت ہے اور مسلمان کی غیبت کرنا اور کسی مسلمان کے عیب ظاہر کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ۔ [illegible] وهو حرام [illegible] اور مقتدی اس فاسق سے واقف ہوں۔ ان کی نماز بلا کراہت اس کے پیچھے جائز ہے۔ لانہ لیس بفاسق معلن۔ ان اس فاسق امام کو خفیہ تنبیہ کرے کہ تم اس گناہ سے باز آؤ ورنہ تمہارے عیب ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ ممکن ہے کہ وہ اس خوف سے اپنے گناہ سے توبہ کرلے کہ یہ فاسق کو فسق سے روکنے کی ایک موثر تدبیر ہے جس کا ہاتھ ٹوٹا ہوا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے اگر لوگ کراہت کرتے ہوں تو اس کو امام نہ بنانا چاہئے۔ اور اگر لوگ راضی ہوں تو اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے۔ شامی میں ہے۔ ومن له يد واحدة فتاوى الصوفية عن التحفة والظاهر ان العلة النفرة۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

احمد یار خاں نعیمی غفرلہ

فتویٰ نمبر ۴۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض مقامات میں پشت مسجد میں دروازہ کھول کر دروازہ کے سامنے چبوترہ بنا کر جنازہ چبوترہ پر رکھا جاتا ہے اور امام و مقتدی مسجد میں کھڑے ہو کر نماز جنازہ ادا کرتے ہیں۔ آیا اس

طریقہ پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو بلا کراہت یا بکراہت۔ از محمد یوسف (مراد آباد)

الجواب

مسجد جماعت میں بلا مجبوری نماز جنازہ پڑھنا ہر طرح مکروہ ہے۔ خواہ جنازہ مسجد سے باہر ہو۔ اور کل یا بعض نمازی مسجد میں یا جنازہ مسجد میں ہو اور نمازی کل خواہ بعض مسجد سے باہر ہوں یا جنازہ اور نمازی دونوں مسجد میں ہوں۔ ہر حال نماز جنازہ مسجد جماعت میں مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ وصلوٰۃ الجنازۃ فی المسجد الذی تقام فیہ الجماعۃ مکروھۃ سواء کان المیت والقوم فی المسجد او کان المیت خارج المسجد و القوم فی المسجد او کان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقی فی المسجد او المیت فی المسجد والامام والقوم خارج المسجد وھو المختار ولا تکرہ بعذر المطر ونحوہ۔ در مختار میں ہے۔ وکرھت فی مسجد جماعۃ ھو ای المیت فیہ وحدہ او مع القوم واختلف فی الخارجۃ عن المسجد وحدہ او مع بعض القوم والمختار الکراھۃ مطلقاً۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان سلطان جمعہ کی ادائیگی کے لئے ضروری شرائط میں سے ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ موجودہ زمانہ میں جب کہ مسلم سلطان یا اس کا نائب نہیں اور مصر کی تعریف میں بھی اختلاف ہے۔ جمعہ پڑھتے ہیں۔ وہ بعد جمعہ ظہر ادا کریں یا نہ۔ اور اگر ادا کریں۔ تو نیت مستحب سے ادا کریں یا نیت واجب سے۔ اور اگر مستحب ہو۔ تو تمام لوگ ادا کریں یا خاص خاص۔ از عبد المجید لالہ (گوجرانوالہ)

الجواب

صحت جمعہ کے لئے سلطان اسلام وغیرہ کی موجودگی شرط نہیں۔ بلکہ کسی مسجد میں اگر جمعہ قائم کرنا ہو۔ تو اس کے لئے حاکم یا والی مسلمان کی اجازت لینا ضروری ہے۔ خواہ وہ والی بادشاہ اسلام ہو یا بادشاہ کا کوئی مقرر کردہ حاکم یا بصورت بادشاہ اسلام کے نہ ہونے کے مسلمان کسی کو والی مان لیں۔ در مختار میں ہے۔ والثانی السلطان او مامورہ باقامتھا۔ رد المحتار میں ہے۔ فلو کان الولاۃ کفاراً یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین۔ بحر میں ہے۔ ان اذن السلطان او نائبہ انما ھو شرط لاقامتھا عند بناء المسجد ثم بعد ذالک لا یشترط الاذن لکل۔ عالمگیری میں ہے۔ بلاد علیھا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی

المسلمین۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اقامت جمعہ کے لئے اذن والی اسلام ضروری ہے صحت جمعہ کے لئے والی اسلام کی موجودگی ضروری نہیں۔ لہٰذا فی زمانہ ہندوستان میں نماز جمعہ جائز ہے۔ مگر اس کا خیال رہے کہ جب کسی مسجد میں جمعہ قائم کرنا ہو تو وہاں کے کسی ایسے عالم سے اجازت حاصل کر لیں۔ جس کو مسلمان اپنا پیشوا مانتے ہوں۔ آج کل جو رواج ہو گیا ہے کہ مسجدیں اور ان میں بلا اجازت جمعہ شروع کر دیا۔ بالکل خلاف شرع ہے۔ بزازیہ میں ہے۔ ولو اجتمع العامة على تقديم رجل لم يأمره القاضي ولا الخليفة الميت لم يجز ولم يكن جمعة وان لم يكن ثمه قاضي ولا خليفة الميت فاجتمع العامة على تقديم رجل جاز لمكان الضرورة۔

(۲) احتیاط اس میں ہے کہ فی زمانہ جہال کو ظہر احتیاطی کا حکم نہ دیا جائے۔ کہ اس سے فرضیت جمعہ میں شک کریں گے۔ اور فتنہ ہوگا۔ صرف اہل علم حضرات جن سے یہ اندیشہ نہیں وہ بعد نماز جمعہ چار رکعت بہ نیت ظہر پڑھ لیا کریں بحر میں ہے۔ حتی وقع انی افتیت مرارا بعدم صلوتها خوفا على اعتقاد الجهلة بانها الفرض وان الجمعة ليست بفرض۔ شامی میں ہے۔ نعم ان ادى الى مفسدة لا تفعل جهارا والكلام عند عدمها ولذا قال المقدسي نحن لا نامر بذالك امثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة اليهم۔ اسی میں ہے۔ فقد ثبت انه ينبغي الاتيان بهذا لا ربع بعد الجمعة۔

(۳) اگر کسی جگہ شرائط جمعہ پائے جانے میں شک ہو۔ تو بہ نیت واجب یہ رکعتیں پڑھے اور اگر بلا دلیل صرف وہم کا ہو تو بہ نیت مستحب۔ شامی میں ہے۔ ذكر ابن الشحنة عن جده التصريح بالندب ينبغي ان يكون عند مجرد التوهم اما عند قيام الشك والاشتباه في صحة الجمعة فالظاهر الوجوب۔ بصورت وجوب یہ چار رکعتیں سنت جمعہ کے قائم مقام نہ ہوں گی۔ اور بصورت استحباب ہو جائیں گی۔ رد المحتار میں ہے۔ وبه يعلم انها هل تجزئ عن السنة ام لا فعند قيام الشك لا وعند عدمه نعم۔ مصر کی تعریف میں اختلاف ہے۔ وجوب جمعہ میں شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ تعریف صحیح یہ ہے کہ جس جگہ کوچہ بازار ہوں اور ضروریات کی چیزیں ملتی ہوں اور وہاں کوئی مجسٹریٹ یا تحصیلدار حاکم رہتا ہو۔ وہ مصر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان عفی عنہ۔

فتویٰ نمبر ۴۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کلمۂ کفر اور سجدہ بت کی وجہ سے مرتد ہو گیا تھا اور کچھ عرصہ

تک اسی ارتداد پر قائم رہا۔ بعد برادری کی سختی اور سمجھانے پر جنوں کو پڑھنے سے توبہ کی اور مسلمان ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ شخص اپنی بیوی کو جس نے اس کے مرتد ہو جانے پر اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ زبردستی لانا چاہتا ہے۔ تو کیا وہ شخص عند الشرع اس عورت کو زبردستی اپنے نکاح میں واپس لا سکتا ہے۔ حالانکہ وہ عورت اب اس کے نکاح میں جانے سے قطعی انکار کرتی ہے۔ اور کیا ایسی صورت میں وہ عورت جو عاقلہ بالغہ ہے اپنے اختیار سے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ مہربانی فرما کر جواب شرع اور واضح بحوالہ کتب احادیث و فقہ عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ فقط۔

الجواب

صورت مسئولہ میں شخص مذکور کا نکاح اس کے مرتد ہوتے ہی ختم ہوگیا۔ اب اس کی بیوی بعد عدت جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ شخص مذکور اسلام لانے پر عورت مذکورہ کو اپنے سے نکاح کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اور بغیر اذن عورت اس سے نکاح درست نہیں۔ بحر الرائق میں ہے۔ وارتداد احدهما فسخ في الحال يعني لا يتوقف على مضي ثلثة قروء في المدخول بها ولا على قضاء القاضي۔ عالمگیری میں ہے۔ ارتداد احد الزوجين عن الاسلام وقعت الفرقة بغير طلاق في الحال قبل الدخول وبعده۔ در مختار میں ہے۔ وارتداد احدهما اي الزوجين فسخ عاجل بلا قضاء۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ سنیہ کا عقد اس کے والد خالد نے لاعلمی کی وجہ سے زید دیوبندی سے کر دیا۔ معلوم ہونے پر عقد فاسد ہے یا نہیں؟ مع ادلہ جواب مرحمت فرمائیں۔

(۲) اگر دیوبندی سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر دے تو کیا جواب دے۔

از مدرسہ سبحانیہ مراد آباد

(ب) دیوبندی کو سلام کرنا چاہیے یا نہیں؟ مع ادلہ جواب ارسال فرمائیں۔

الجواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے یا توہین کرنے والوں کو ان کی توہین پر مطلع ہو کر مسلمان جاننے والے دیوبندی مرتد ہیں۔ در مختار میں ہے۔ والکافر بسب نبي من الانبياء الى ان قال ومن شك في عذابه وكفره كفر۔ عالمگیری میں ہے۔ محمد درویشک بود او قال جامہ پیغمبر ریمنک بود او قال کان

طویل الظفر فقد قیل یکفر مطلقا وقد قیل یکفر اذا قال علی وجہ الاھانۃ۔ اور مرتد کا نکاح عالم میں کسی کے ساتھ جائز نہیں۔ نہ مسلمان سے نہ کافر سے نہ اپنے مثل مرتد سے لہٰذا وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ عالمگیری میں احکام المرتدین میں ہے۔ ومنھا ما ھو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ۔ درمختار میں ہے۔ ویبطل منہ اتفاقاً النکاح والذبیحۃ اھ

(۲) کفار کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔ اور اگر جواب دے تو وعلیک کہہ دے۔ اس سے زیادہ نہ کہے درمختار میں ہے۔ ولو سلم یھودی او نصرانی او مجوسی علی مسلم فلا باس بالرد ولکن لا یزید علی قولہ وعلیک۔ یہ تو کافر اصلی کا حکم ہے۔ وہابیہ مرتدین کے احکام بہت سخت ہیں۔ ان کو بلا ضرورت جواب سلام دینا جائز نہیں اور ضرورت درپیش ہو۔ تو وعلیک کہا جائے۔ اسی طرح کفار کو سلام بلا ضرورت جائز نہیں۔ اگر ضرورت درپیش ہو۔ تو السلام علی من اتبع الھدیٰ کہہ دے۔ درمختار میں ہے۔ ویسلم المسلم علی اھل الذمۃ لو لہ حاجۃ الیہ والا کرہ۔ شامی میں ہے اذا سلم علی اھل الذمۃ فلیقل السلام علی من اتبع الھدیٰ وکذٰلک یکتب الیھم۔ بلا ضرورت انہیں سلام ناجائز اور تعظیماً سلام کرنا سخت جرم ہے۔ معاذ اللہ کما فی الدر المختار والھندیہ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔

(۱) کہ ایک شادی ہونے والی ہے جس میں لڑکے والے باجہ وغیرہ کو منع کرتا ہے۔ اور بیٹی والا بغیر باجہ کے شادی نہیں کرتا۔ تو بتاؤ کیا ہونا چاہیے۔ نقارہ یا دف بجانا جائز ہے یا نہیں۔ یا نعت خوانی سے گشت۔

(۲) دولہا کے سر گنگنا یا مہندی لگانا۔ دولہا کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا کوئی نقصان تو نہیں ہے۔ یا برات سے ایک دن پہلے جو مردوں کی فاتحہ ہوتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں یا حضرت بی بی کی فاتحہ جس کو کونڈا بولتے ہیں ناجائز ہے یا نہیں۔ یا عورتیں شادی سے پہلے ڈھول بجاتی اور گاتی ہیں۔ اس کی بجائے نقارہ بجانا کوئی نقصان تو نہیں ہو یا رات کو عورتوں کا گانے کے بجائے میلاد کرانا جائز ہے یا نہیں۔

(۳) جو رسمیں سسرال میں دولہا کے ساتھ برتی جاتی ہیں۔ اس کا گناہ کس پر ہوگا۔ اور جو تھی جانا یا سہاگ پڑا دولہا سے کھلوانا یا جو تھی کھیلی جاتی ہے۔ اس کا کچھ وبال ہے یا نہیں۔ یا پہلی شب کو دولہا دولہن کو الگ سلاتے ہیں۔ یہ بڑی بے حیائی

کی بات ہے۔ اگر وہ بوجہ شرم کی وجہ سے اس بات کو نہ سوئے تو دولہن کی طرف سے گناہ تو نہیں ہو

(۲) یہاں دو جماعتوں سے جھگڑا ہو رہا ہے۔ تعزیہ داری کے معاملہ میں اور اشتہار بھی عشرہ کے بارے میں نکالے ہیں۔ اور اس میں سنی و اہل حدیثوں کے نام بھی ہیں۔ اور تعزیہ داری حرام، مجھوا حرام، شربت کرنا حرام، ڈھول بجانا حرام، ماتم کرنا حرام، مہندی نکالنا، تعزیہ پر فاتحہ دلانا حرام۔ تو یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں۔ فقط۔ از مراد آباد

الجواب

(۱) اعلان نکاح کے لئے وقت نکاح دف و نقارہ وغیرہ کو ٹھاپیٹنا جائز ہے۔ بشرطیکہ لہو و لعب سے خالی ہو۔ امام احمد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے محمد ابن حاطب جمحی سے روایت کی۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فصل ما بین الحلال والحرام الصوت والدف۔ نیز ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلنوا ھذا النکاح واجعلوھا فی المسجد واضربوا علیہ بالدفوف۔ نیز ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلنوا ھذا النکاح واجعلوھا فی المسجد واضربوا علیہ بالدفوف۔ نیز رد المحتار میں ہے۔ وعن الحسن لا باس بالدف فی العرس یشتھر۔ نیز اسی شامی کتاب النکاح میں ہے۔ ضرب الدف فی العرس مختلف فیہ وکذا اختلفوا فی الغناء فی العرس والولیمۃ فمنھم من قال بعدم کراھۃ بضرب الدف کذا فی بحر الرائق۔ غرضیکہ بکثرت احادیث و تصریحات فقہاء سے اعلان نکاح کے لئے دف پیٹنا جائز ثابت ہوتا ہے۔ مگر اس شرط سے کہ اس سے لہو و لعب مقصود نہ ہو۔ صرف اعلان نکاح کا مقصد ہو۔ لہٰذا شرط یہ ہے کہ دف جھانج سے خالی ہو اور اس کو باقاعدہ گت کے ساتھ نہ بجایا جائے۔ صرف لکڑی وغیرہ سے بلا گت پیٹ دیا جائے۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ میں ہے۔ وسئل ابو یوسف عن الدف اتکرہ فی غیر العرس بان تضرب المرأۃ فی غیر فسق للصبی قال لا اکرہ۔ واما الذی یجیٔ منہ اللعب الفاحش للغناء فانی اکرھہ۔ رد المحتار میں ہے۔ لا باس بالدف فی العرس تشتھر وفی السراجیۃ ھذا اذا لم یکن لہ جلاجل ولم یضرب علی ھیئۃ اضطراب بحر کتاب النکاح میں ہے۔ وفی الذخیرۃ ضرب الدف فی العرس مختلف فیہ ومحلہ مالا جلاجل لہ اما مالہ جلاجل فمکروہ۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں حدیث یضربن بالدف کے تحت میں ہے۔ وکان دفھن غیر مصحوب جلاجل فیہ دلیل علی جواز ضرب الدف عند النکاح والزفاف للاعلان اما ما فیہ

جلاجل فینبغی ان یکون مکروھا بالاتفاق۔ اسی لئے باجوں کی حرمت بیان فرماتے وقت فقہاء مزامیر یا ملاہی فرماتے ہیں۔ درمختار میں ہے۔ استماع صوت الملاہی حرام۔ اسی میں ہے۔ استماع الملاہی معصیۃ والجلوس علیہا فسق۔ اور اس موقعہ پر ضرب دف کا اطلاق نہیں فرماتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گیت کے ساتھ دف بجانا لہو کی نیت سے ملاہی میں داخل ہو کر حرام ہے اور بغیر گیت اعلان کے لئے دف وغیرہ پیٹنا جائز ہے۔ اسی طریقہ سے احادیث مخالفت مزامیر اور اعلان بالدف وغیرہ کے جواز میں تطبیق کی جاوے گی رد المحتار میں ہے۔ وھذا یفید ان آلۃ اللھو لیست محرمۃ لعینھا بل لقصد اللھو منھا الا ترى ان ضرب تلک الآلۃ بعینھا حل تارۃ وحرم اخرى باختلاف النیۃ والامور بمقاصدھا۔ شادی بیاہ عید وغیرہ خوشی کے موقعوں پر اگر بچیاں یا لونڈیاں دف بجائیں اور مباح گیت گائیں تو مضائقہ نہیں۔ کہ احادیث صحیحہ میں بچیوں کا دف بجانا عید اور سرور نکاح میں ثابت ہے۔ ربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی شادی کا بیان فرماتے ہوئے فرماتی ہیں۔ فجعلت جویریات یضربن بالدف ویندبن من قتل من آبائی۔ مرقات میں اس کے ماتحت ہے۔ قولہ جویریات قیل البنات لم تکن بالغات حد الشھوۃ۔ بحر میں ہے۔ لا باس بضرب الدف فی العرس وعن الذخیرۃ لا باس بالغناء فی الاعیاد لیکن یہ دف اور گیت مردوں اور شریف بالغہ عورتوں کو منع ہے۔ رد المحتار کتاب الشہادات میں ہے جواز ضرب الدف منہ خاص بالنساء لما فی البحر عن المعراج بعد ما ذکر انہ مباح فی النکاح وما فی معناہ من حادث سرور قال وھو مکروہ للرجال علی کل حال للتشبہ بالنساء۔ اسی طرح بیاہ شادی کے موقعوں پر بطریقہ مروجہ عورتیں گاتی بجاتی ہیں۔ یہ رسم سخت حرام اور بہت سے محرمات پر مشتمل ہے۔ عورتوں کی آواز اجنبی مرد سنیں۔ یہ حرام جس پر احادیث کثیرہ و اقوال فقہاء شاہد ہیں۔ دوم جو گیت گائے جاتے ہیں ان میں شہوت انگیز مضمون اور غیرت بے حیائی کے اشعار ہوتے ہیں۔ لڑکی والے کے کہنے سے باجہ وغیرہ دیگر محرمات کا ارتکاب کرے۔ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق کو ناراض نہ کرے۔ درمختار میں ہے لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ اس کو سمجھا دے سمجھ جائے تو خیر ورنہ خداوند قدوس اس سے بہتر شکل عطا فرمائے گا۔ بلکہ حالات زمانہ کو دیکھتے ہوئے یہ فتویٰ ہے کہ اب گانا بجانا ہر حال ناجائز ہے بچیوں کو اجازت نہیں کیونکہ اگر بچیوں کو اجازت دی جائے تو بالغہ عورتیں بھی بچیوں کا نام کر کے گائیں گی۔

(۲) پھولوں کا سہرا باندھنا جائز ہے۔ یہ خوشبو کا استعمال ہے اور خوشبو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مرغوب تھی۔ فرماتے ہیں۔ حبب الی من دنیاکم النساء والطیب۔ سہرے میں صرف پھولوں کو دورے میں ڈال لیا گیا ہے تاکہ ہاتھ نہ بکھرے اور ہاتھ میں رہنے سے پھول مرجھا نہ جائیں۔ ہاں نوشہ کے

ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا، گانا باندھنا یا سنہری گوٹے والا سہرا باندھنا منع ہے۔ کہ گانا اور گلی والا سہرا شعار کفار ہے اس میں ان سے مشابہت ہے اور مہندی لگانا عورتوں سے مشابہت ہے اور دونوں ممنوع فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فہو منہم رواہ احمد وابوداؤد عن ابن عمر اس کے ماتحت مرقاۃ میں ہے۔ ای من شبہ نفسہ بالکفار فی اللباس وغیرہ او بالفساق والفجار قال الطیبی ھذا عام فی الخلق والخلق قلت بل الشعار ھو المراد بالتشبہ لاغیر۔ رد المحتار میں ہے۔ وخضاب شعر لحیتہ لا یدیہ ورجلیہ فانہ مکروہ للتشبہ بالنساء۔

(۳) چوتھی وغیرہ جگہ رسوم مروجہ بہت سے حرام کاموں پر مشتمل ہے۔ یہ رسم ادا کرنے والیاں تو شادی اور تمام شرکا جو اس سے راضی ہوں اور جو اس کے روکنے پر قادر ہو کر باقاعدہ نہ روکیں وہ سب گنہگار ہیں کہ بقدر طاقت امر بالمعروف واجب ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ سرکار فرماتے ہیں۔ من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فمن لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان۔ جس شخص کو خبر ہو کہ وہاں یہ رسوم ہوں گی وہاں شرکت نہ کرے اور وہاں پہنچنے کے بعد یہ خرافات شروع ہوں تو وہاں سے اٹھ آوے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔ درمختار میں ہے۔ فلو علی المائدۃ لا ینبغی ان یقعد بل یخرج معرضا۔ اسی میں ہے فان قدر علی المنع فعل وان لم یقدر یخرج ولم یقعد لان فیہ شین الدین محضا۔

(۴) دولہا دلہن کو علیحدہ جگہ دینا اگر لغویات اور رسم بیہودہ سے خالی ہو تو جائز ہے کہ احادیث سے ثابت ہے درمختار میں ہے۔ وھل یکرہ الزفاف المختار لا اذا لم یشتمل علی مفسدۃ دینیۃ رد المحتار میں ہے۔ الزفاف اھداء المرأۃ ھھنا اجتماع النساء کذالک فانہ لازم لہ عرفا۔ اسی میں ہے۔ مستند لا یما رواہ عن عائشۃ قالت زففنا امرأۃ من الانصار رد المحتار شروع کتاب النکاح میں ہے۔ واختلفوا فی کراھیۃ الزفاف والمختار انہ لا یکرہ الا اذا اشتمل علی مفسدۃ دینیۃ۔

(۵) مروجہ تعزیہ داری جو باجا ماتم فضول خرچی تصاویر جاندار پر مشتمل ہے ناجائز ہے۔ فی زمانہ بہتر یہ ہے کہ ان محرمات کو اس میں سے نکال دیا جائے۔ اور نفس جلوس باقی رکھا جائے کہ اس سے مشرکین پر رعب طاری ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ میں پھکیت وغیرہ کے اکھاڑے ضرور ہوں کہ یہ تیاری جہاد کا اظہار اور کفار کو مرعوب کرنے میں معاون ہے۔

کھچڑا یا شربت پر فاتحہ کرنا سبیل لگانا بہت اچھی چیزیں ہیں۔ کہ اس میں صدقات و خیرات کا ایصال ثواب ہے۔ اور اسلام کے عقائد میں سے ہے کہ صدقات و عبادات کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ کما فی شرح العقائد وغیرہ اس کا انکار دشمنی بزرگان دین پر مبنی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ٣٦

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں اپنے خیال میں قریب آٹھ نو برس سے عیسائی مذہب کو اچھا خیال کرتی تھی۔ جب گھر والوں کو معلوم ہوا کہ یہ عیسائی مذہب پسند کرتی ہے اور عیسائی ہوا چاہتی ہے۔ تو انہوں نے میرا نکاح جبریہ ایک بدمعاش کے ساتھ کر دیا۔ اور مجھ کو گھر میں سے باہر کسی عزیز کے ہاں تک جانے نہ دیا۔ بھائی بجاوج نے ایک جاتو دکھا کر ایک کاپی پر دستخط کرائے۔ جب میرا موقعہ ہوا تو میں بھی گھر جا کر عیسائی ہو گئی۔ اب میں عیسائی ہوں۔ لہٰذا اب میرا نکاح جو کر بھائی اور بھاوج وغیرہ نے پڑھایا تھا۔ وہ بحالت عیسائی باقی رہا یا نہیں۔ جب اس وقت میری عمر تقریباً ٢٢-٢٣ برس کی ہے۔ بینوا توجروا۔ از قدیر بیگم میگرائن عیسائی مراد آباد

الجواب

سائلہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہے۔ اس کے ارتداد عیسائی ہو جانے سے نکاح نہیں اٹھا اور وہ آزاد نہیں ہوئی۔ اس کا یہ بیان کہ بھائی نے بجبر اس سے رضا حاصل کی تھی۔ یا نکاح بحالت عیسائیت ہوا قطعاً معتبر نہیں۔ کیونکہ رسم شادی سہرا بندھوانا مہندی لگانا دلہن بننا عروسی جوڑا پہننا دولہا کے یہاں کے آئے کپڑے پہننا۔ اس کے یہاں کے زیور پہننا رخصتی کے وقت ڈولے میں بیٹھنا شوہر کے یہاں جانا اس کے ساتھ خلوت اور تمکین یہ سب دلالت رضا ہیں۔ اور اس کے بیان کی تکذیب عالمگیری میں ہے۔ وکذا ان مکنت الزوج من نفسها بعد ما زوجها الولی فهو رضا و کذا لو طالبت بصداقها بعد العلم فهو رضا۔ اسی میں ہے وکما یتحقق رضاها بالقول یتحقق بالدلالة کطلب مهرها و نفقتها و تمکینها من الوطوء۔ در مختار میں ہے۔ رضاها یکون دلالة کما ذکرہ بقوله وما فی معناه فی فعل یدل علی الرضا کطلب مهرها و نفقتها و تمکینها من الوطوء و دخوله بها برضاها۔ رخصتی کے وقت بالعموم مجمع ہوتا ہے۔ رشتہ دار موجود ہوتے ہیں۔ تمام مراسم کی ادا ان کے سامنے ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک رسم کے وقت چھری چاقو اس کے سینہ پر رکھا گیا ہو اور قتل کی آمادگی کی گئی ہو۔ اگر رخصتی کے وقت رسوم میں سے کوئی رسم بھی بغیر جبر کے عمل میں آ گئی۔ اس سے رضا ثابت ہے۔ پھر شوہر کے یہاں رہنا اور با خوشی تمکین اور آمد و رفت کا ہونا سب کی رضا کی تاکیدات ہیں۔ ان حالات میں رضا کا انکار کرنا کذب محض ہے۔ اسی طرح وقت نکاح عیسائی

ہونے کا بیان ابطال نکاح میں موثر نہیں۔ بلکہ اس کا یہ اقرار اس کو اپنے ماں باپ اور ہر مورث کے ترکہ سے تو محروم کر دے گا
لیکن نکاح پر اس کا اثر نہ ہوگا کیونکہ جس اقرار سے غیر کا ضرر ہوتا ہو وہ اقرار غیر کے حق میں معتبر نہیں۔ درمختار میں ہے۔ الاصل
ان اقرار الانسان علی نفسہ حجۃ لا علی غیرہ کتاب الاقرار۔ شامی میں ہے۔ بخلاف ما اذا
اقرت بالردۃ۔ معلوم ہوا کہ ردت کے اقرار سے نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو عورت شوہر سے ناراض ہو وہ
ایک ایسی جھوٹی بات بنا کر نکاح سے باہر ہو جایا کرے۔ شریعت نے ان حیلہ سازیوں کا موقع نہیں دیا۔ اسی طرح جو نکاح
گرجا میں جا کر عیسائی بننے سے بھی عورت نکاح سے باہر نہیں ہوتی کہ عورت کے ارتداد سے نکاح نہیں فسخ ہوتا۔ اسی طرح اول
رہتا ہے۔ درمختار میں ہے۔ وافتی مشائخ بلخ بعدم الفرقۃ بردتہا زجرًا۔ بحر الرائق میں ہے۔ و
بعض مشائخ بلخ ومشائخ سمرقند افتوا بعدم الفرقۃ بردتہا حسما لباب المعصیۃ و
الحیلۃ للخلاص منہ۔ قاضی خاں میں ہے۔ منکوحۃ ارتدت والعیاذ باللہ حکی عن
ابی القاسم الصفار انہا لا تقع الفرقۃ بینہما حتی لا تصل الی مقصودہا الشیخ و
الذین قالوا بالفرقۃ بارتدادہا قالوا لا یجوز لہا النکاح بزوج آخر بل
تجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح بالزوج الاول وعلی القاضی تجدید
نکاحہا بزوجہا الاول رضیت بذلک النکاح ام لا۔ قال فی الدر المختار تجبر
علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجرا لہا وعلیہا الفتویٰ۔ وقال فی رد المحتار
فلکل قاض ان یجددہ بمہر یسیر رضیت ام لا وتمنع من التزوج بغیرہ بعد
اسلامہا۔ وفی الخانیۃ وفی الروایات الظاہرۃ تقع الفرقۃ وتجبر المرأۃ حتی
تسلم ویجدد النکاح سدا لہذا الباب علیہا۔ بہرحال عورت اپنے شوہر کے نکاح میں ہے اور
وہ اس کو اپنے پاس رہنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اللہ پناہ میں رکھے نکاح سے نکلنے کے لئے ارتداد اختیار کرنا بھی
ناعاقبت اندیشی اور بدبختی ہے۔ شوہر سے آزادی حاصل کرنے کے لئے شریعت کی بتائی ہوئی راہیں اختیار کی جا
سکتی تھیں۔ لیکن کفر جیسی ملعون خبیث معصیت کو گوارا کرنا انتہا درجہ کی بدنصیبی ہے۔ یہ تمام اس صورت میں تھی
کہ لڑکی کی رخصت ہو چکی ہو۔ اگر رخصت نہ ہوئی ہو۔ تو بھی نکاح ہو گیا۔ کہ بالاکراہ نکاح درست ہو جاتا ہے۔ شامی
کتاب الاکراہ میں ہے۔ وصح نکاحہ وطلاقہ۔ اسی شامی کتاب النکاح میں ہے۔ حقیقۃ الرضا
غیر مشروطۃ فی النکاح لصحتہ مع الاکراہ والہزل۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں۔

(۱) بعض لوگ مالدار ہیں۔ غریبوں کو بازاری نرخ سے کم قیمت پر نقد دیتا ہے۔ مثلاً چاول وغیرہ کا بازاری نرخ ایک روپیہ کا سولہ سیر ہے۔ تو غریبوں کو روپیہ میں گیارہ بارہ سیر کے نرخ سے ادھار دیتے ہیں۔ اور قیمت اس ماہ اگھن وغیرہ میں لیتے ہیں۔ یا اس روپیہ کا فصل دھان کے وقت روپیہ کا چھ سات پسیری کے نرخ سے لیتے ہیں یا نہیں تو جو نرخ اس وقت بازار کا ہوتا ہے۔ اس نرخ سے لیتے ہیں۔ اس کو عرف میں نکاسی کہتے ہیں۔ یہ نکاسی غلہ چاول وغیرہ کی ماہ اساڑھ و ساون میں ہوتی ہے اور ماہ اگھن اور پوس میں وصول پاتی۔ از روئے شرع یہ نکاسی یا فروخت کا حسب ذیل شرائط مذکورہ بالا جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جواب بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمایا جائے۔

(۲) روپیہ دینا اس شرط پر کہ فصل کے وقت میں فلاں غلہ اتنے من یا پسیری میں لیں گے۔ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اس ملک میں کوئی شخص پیسہ روپیہ آنہ دو آنہ یعنی تھوڑا غلہ خریدنے والا ہوتا ہے جس کو یہاں غلہ بسا بیچنے والا کہتے ہیں اس کا سیر مروجہ سے کچھ بڑا ہوتا ہے و نیز بازاری نرخ سے کچھ زائد غلہ خرید کرتا ہے۔ اب زید جو کہ تجارت کرتا ہے ان کا یہ دستور ہے کہ جو شخص نقد لے کر سودا خرید کرنے آتے ہیں تو غلہ کو وہی بسا بیچنے والا سیر اور نرخ سے لیتے ہیں۔ اور اپنا سودا سیر مروجہ سے دیتے ہیں۔ یہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

(۴) میوہ کو درخت پر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ و زید کہتا ہے کہ باغ بیع کرے اور مشتری میوہ کو فوراً توڑ ڈالے تو جائز ہے۔ یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کوئی صورت جواز کی ہو۔ تو بحوالہ کتب احادیث و فقہ تحریر فرمائیے۔ اگر شرعاً بیع ناجائز ہے۔ تو اس میں گنہگار فقط بائع ہوگا۔ یا مشتری یا دونوں۔ اس زمانہ میں آم و لیچی وغیرہ اکثر درخت پر فروخت ہوتا ہے جس کو ہر خاص و عام خرید کر کھاتے ہیں۔ یہ کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۵) فصل دھان و گیہوں وغیرہ جب تیار ہوتا ہے۔ تو اس کو مزدور لوگ کاٹتے ہیں۔ اور اپنی مزدوری کل اسی بولی سے لیتے ہیں یعنی اپنے کاٹے ہوئے کو فی رو حصہ تمام کر کے ایک حصہ اپنی مزدوری لیتے ہیں۔ یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ ناجائز کہتے ہیں۔ لہٰذا جواب بالصواب تحریر فرمائیے۔

(۶) تالاب کے اندر مچھلی فروخت کرنا کیسا ہے۔ اگر شرعاً ناجائز ہے تو کوئی شرعی صورت جواز کی ہو سکتی ہے یا نہیں۔

(۷) دستی نوٹ کا ادھار فروخت کرنا مثلاً ایک نوٹ جو کہ پانچ روپیہ کا ہے۔ اس کو سات آٹھ روپیہ میں ادھار فروخت کرنا اور روپیہ دو مہینے کے بعد لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) اگر زید روپے کے عوض میں یہ بیع کرتا ہے اور بازاری نرخ مشتری اور بائع کو معلوم ہے تو جائز ہے کہ جس نرخ پر بائع مشتری کی رضامندی ہو جائے۔ اس پر بیع جائز ہوتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ۔ اس ضروری ہے کہ بازاری نرخ بائع نے غلط نہ بتایا ہو۔ اور اگر نقد کے عوض ادھار بیچے تو حرام کہ سود ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والبر بالبر والشعیر بالشعیر [illegible] بید من زاد او استزاد فقد اربی رواہ مسلم عن ابی سعید الخدری۔ درمختار میں ہے۔ ان وجد احدھما حل التفاضل وحرم النسأ۔ رد المحتار باب الربا میں ہے۔ وسواء والموزونات غیر النقد لا یجوز ان تسلم فی الموزونات وان اختلف اجناسها کاسلام حدید فی دهن و زیت فی جبن۔ اور اگر بعوض روپیہ ادھار فروخت کیا پھر اس قرض روپیہ سے بطریق سلم اس غریب سے دھان وغیرہ خریدا تو بھی منع ہے کہ سلم میں وقت عقد روپیہ دینا شرط ہے۔

درمختار میں ہے۔ فان اسلم مائة درهم فی کر بُر مائة دین علیه ای علی المسلم الیه ومائة نقد او افترقا فالسلم فی الدین باطل۔

(۲) غلہ کی کثیر قسمیں کہ بیع سلم کہتے ہیں جائز ہے مگر سولہ شرطوں سے جن کا مآل یہ ہے کہ بوقت بیع نقد تمام ہو اور قیمت فوراً عقد کے وقت ادا کی جائے۔ اور بیع میں کوئی جھگڑے کی بات باقی نہ رہ جائے۔ اسی لئے غلہ کا نام غلہ کی قسم غلہ کا نرخ غلہ کس جگہ دے گا۔ وصولی کا وقت سب مقرر ہو جاتا ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ واما الذی یرجع الی البدل فستة عشر ستة فی راس المال وعشر فی المسلم فیه۔

(۳) اگر بائع کے علم میں یہ بات لائی گئی ہو کہ تجھ سے غلہ اس بھاؤ سے خریدتا ہوں اور اس کے عوض سودا اس بھاؤ سے دیا جائے گا اور وہ اس پر راضی ہو گیا تو جائز ہے غرضیکہ اگر کسی قسم دھوکا دیا گیا ہے تو بیع درست نہ ہوئی اور اگر تمام باتیں صاف طور پر ظاہر کر دی گئی ہوں تو جائز قرآن کریم میں ہے۔ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ۔

(۴) اگر اس شرط سے درخت کے پھل خریدے کہ پکنے کے وقت تک نہ توڑے گا۔ تو بہرحال بیع فاسد ہوئی۔ اگر بیع بلا شرط ہے۔ خواہ سب پھل آ گئے ہوں یا کچھ آ گئے اور کچھ آنے والے ہیں۔ اور خواہ پھل پورے طور پر پکے ہوں یا ابھی چھوٹے ہیں۔ درمختار میں ہے۔ وان شرط ترکها علی الاشجار فسد البیع۔ عالمگیری میں ہے۔ وان باع بشرط الترك لم یصح قیاسا عند ابی حنیفة وابی یوسف۔ بحرالرائق میں ہے۔ وان شرط ترکها علی النخل فسد ای البیع۔ اگر بیع پھل آ چکنے کے بعد بلا شرط کی تھی مگر بعد بیع بائع کی اجازت سے کچھ روز پھل

درخت پر رہنے دے تو مطلقاً جائز ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ ولو اشتراها مطلقاً وترکها باذن البائع طاب له الفضل۔ درمختار میں ہے۔ قید باشتراط الترک لانه لو اشتراها مطلقاً وترکها باذن البائع طاب له الزیادة فقال رد المحتار عمّا زاد فی ذات المبیع وحاصله ان المراد هنا الزیادة المتصلة لا المنفصلة۔ اگر اس حال میں خریدے ہوں کہ درختوں پر کچھ آ گئے ہیں، کچھ آنے والے ہیں تو بیع ناجائز ہے کہ معدوم کی بیع کو شامل ہے۔ درمختار میں ہے۔ برز بعضها دون بعض لا یصح فی ظاهر المذهب شامی میں ہے۔ واطلاق المصنف محمول علی ما اذا باع الموجود والمعدوم۔ ہمارے ملک میں آج کل جو بہار کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ فاسد ہے۔ بعض جگہ تو سالہا سال کی بہار خریدی جاتی ہے۔ اور بعض جگہ پھل آنے سے پیشتر اور عادۃً درختوں کا پھل پکنے تک اپنے استعمال میں رکھنا شرط بیع ہے۔ ان صورتوں میں بیع فاسد ہے کہ اولاً تو بیع معدوم ہے۔ دوسرے بیع بالشرط۔ اس کی بحث رد المحتار میں ہے۔ المعروف عرفاً کالمشروط نصا وههنا فساد البیع وعدم حل الزیادة۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس قسم کی بیع میں اہل جواز کی صورتوں پر عمل کریں جو شریعت نے بتائی ہیں۔ ان میں پھل تو صورت یہ ہے کہ ہرا کھیت خرید لیا ہے تو خریدنے کے بعد زمین کو مدت معین تک کے لئے کرایہ پر لے لے۔ اور اگر باغ کی بہار خریدنا ہے تو بعد بیع باغ کی خدمت نوکری کرے اور تھوڑے پھل مالک کو دے اور باقی پھل اپنی اجرت میں رکھے مثلاً بعد بیع یہ طے کرے کہ باغ کی بہار تیرا ہے میں اس کی حفاظت کروں گا پیداوار کا ہزارواں حصہ تیرا اور باقی تمام بحق خدمت میرا۔ تو وقت بیع موجودہ پھل کی تو قیمت ہوگی اور جو آئندہ پھل ہوں ان کے یہ معاوضہ۔ درمختار میں ہے۔ والحیلة ان یاخذ الشجرة معاملة علی ان له جزءا من الف جزء وان یشتری اصول الرطبة والبادنجان واشجار البطیخ ببعض الثمن و یستاجر الارض مدة معلومة۔ اور اگر پھلوں کو کسی نے بیع فاسد خریدا۔ تو وہ بعد قبضہ اس کا مالک ہو گیا۔

احمد یار خان غفرلہٗ

فتویٰ نمبر ۴۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کرنے والا چرم قربانی فروخت کر کے اس کی قیمت تعمیر مسجد میں لگائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر قربانی والا قربانی کی کھال فروخت کر دے۔ تو اس قیمت کا صدقہ دینا ضروری ہے اور صدقہ میں فقیر کا قبضہ معتبر لہٰذا اس کھال کی قیمت مسجد میں خرچ نہیں کر سکتے کہ اس صورت میں قبضہ نہ کرے گا۔ عالمگیری کتاب الاضحیہ میں ہے۔

ویتصدق بجلدها او یعمل منها نحو غربال ۔

فتویٰ نمبر ۳۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ گاؤں میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں بعض لوگ گاؤں میں بھی جائز کہتے ہیں۔ اگر یہ غلط ہے تو کیوں؟

الجواب

نماز جمعہ و عیدین کے لئے شہر یا فنائے شہر شرط ہے۔ گاؤں یا جنگل میدان میں جائز نہیں۔ اس پر آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ صریحہ اور افعال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صحابہ کرام دال ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع۔ جس سے بطریق اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا جس جگہ بازار ہو اور بیع و شرا ہوتی ہو اور یہ کہ بڑے شہر اور بڑے قصبے میں ہی ہوتی ہے۔ لانہ لولم یتحقق البیع فکیف یترک فان ترک الشئ فرع وجودہ۔ تفسیر کبیر میں ہے۔ لان البیع والشراء فی الاسواق غالب۔ عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں بروایت حارث حضرت علی کرم اللہ وجہہ نقل کیا۔ جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع از عینی شرح بخاری جلد ۳ صفحہ ۲۳۳ واز فتح القدیر۔ قال فی فتح القدیر کفی بقول علی قدوة واماما فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۳۰۹ میں حضرت ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمة نے روایت کیا۔ عن حذیفة قال لیس علی اهل القری جمعة انما الجمعة علی اهل الامصار مثل المدائن۔ بخاری میں باب ہی باندھا ہے کہ باب من این تؤتی الجمعة وعلی من تجب وقال عطاء اذا کنت فی قریة جامعة نودی بالصلوٰة من یوم الجمعة فحق علیک ان تشهدها۔ اسی بخاری میں ہے۔ عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان الناس ینتابون یوم الجمعة من منازلهم والعوالی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں اہل دیہات باری باری سے مدینہ منورہ جمعہ پڑھنے آتے تھے۔ اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا تو مدینہ طیبہ آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اپنے اپنے گاؤں میں ادا کیا کرتے۔ اور اگر اہل دیہات پر جمعہ فرض ہوتا تو باری باری سے کیوں آتے سب ہمیشہ ہی آیا کرتے۔ نیز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے قبا میں بروز دوشنبہ تشریف فرما ہوئے اور بروایت بخاری دس دن سے زیادہ وہاں قیام فرمایا مگر وہاں جمعہ ادا نہ فرمایا حالانکہ جمعہ ہجرت سے پہلے فرض ہوا مگر ادا بعد ہجرت کیا گیا کیونکہ قبا مصر نہ ہونے کی وجہ سے گاؤں کے حکم میں تھا کہ مدینہ طیبہ جا کر نماز جمعہ ادا کیا کریں۔ ترمذی میں ہے۔ عن ثویر عن رجل من اهل قباء عن ابیه وکان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال امرنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نشهد الجمعة من قباء

جمعۃ الوداع بروز جمعہ ہوا۔ مگر میدان عرفات میں نہ تو خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ پڑھا نہ اہل مکہ کو حکم دیا۔ صحابہ کرام سے کہیں ثابت نہیں کہ انہوں نے فتوحات کرتے وقت گاؤں میں جمعہ قائم کیا ہو۔ فتح القدیر میں ہے۔ ولهذا لم ينتقل عن الصحابة حين فتحوا البلاد واشتغلوا بنصب المنابر والجمع الا في الامصار۔ مؤطا امام مالک میں باب ہے۔ باب لا جمعة في العوالي۔ و موطا امام محمد میں۔ صلوة العيدين وامر الخطبة میں ہے۔ عن ابن شهاب عن ابي عبيد مولى ابن ازهر قال شهدت العيد مع عثمان فصلى ثم انصرف وقال انه قد اجتمع لكم في يومكم هذا عيدان فمن احب من اهل العالية ان ينتظر الجمعة فلينتظرها ومن احب ان يرجع فقد اذنت له۔ یعنی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عید کے دن دیہاتی لوگوں سے فرمایا کہ آج دو عیدیں جمعہ و عید جمع ہو گئی ہیں۔ عید تو پڑھ لی۔ جو جمعہ پڑھنا چاہے۔ وہ ٹھہرا رہے جو نہ پڑھنا چاہے وہ گھر واپس چلا جاوے۔ معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں۔ ان تمام دلائل سے کالشمس والامس ثابت ہوا کہ جمعہ گاؤں میں ادا نہیں ہو سکتا۔ مخالفین کے پاس بجز دو کمزور دلائل کے اور کوئی دلیل نہیں۔ اول یہ کہ قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق عموم ثابت ہے۔ قرآنی عام کو ان اخبار احاد سے خاص نہیں کر سکتے۔ کما هو مصرح في الاصول۔ دوم یہ کہ احادیث میں وارد ہے کہ صحابہ کرام نے قریٰ یعنی گاؤں میں جمعہ ادا کیا ہے۔ چنانچہ ہجرت سے قبل مدینہ منورہ قریہ یعنی گاؤں تھا اور صحابہ نے جمعہ وہاں ادا کیا۔ اسی طرح جواثا جو کہ گاؤں ہے۔ بحرین میں وہاں مسجد عبدالقیس میں صحابہ نے جمعہ ادا کیا۔ یہ دونوں دلائل بہت کمزور ہیں۔ اول تو اس لئے کہ قرآن میں جمعہ کے لئے کوئی شرط نہیں۔ تو وقت کی اور جنگل یا آبادی کی بھی قید نہیں۔ لہٰذا لازم آتا ہے کہ نماز جمعہ بروز جمعہ ہر وقت کبھی فجر کے وقت کبھی دوپہر کو کبھی عصر کبھی مغرب کے وقت جنگل اور آبادی ہر جگہ ہوا کرے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں تو ماننا پڑے گا کہ یہ عام مخصوص البعض ہے اور جب کسی قطعی عام میں ایک بار تخصیص قطعی دلیل سے ہو چکی۔ تو آئندہ دلائل ظنیہ سے بھی تخصیص جائز ہے۔ کما هو في الاصول۔

دوم یہ کہ آیت مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے۔ کما لا يخفى على اهل العلم۔ اور مجمل کی تفصیل ظنیات سے جائز ہے۔ جیسا کہ مسح راس میں ہوا۔ سوم مخصص اول خبر احاد نہیں بلکہ عرفات میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ ادا نہ کرنا ان تمام لوگوں نے دیکھا جو اس حج وداع میں شامل تھے اور وہ ایک لاکھ آدمی کے قریب ہیں اتنے لوگ ایک فعل کو دیکھیں۔ تو وہ خبر احاد کیسی۔ چہارم۔ ہم کہہ چکے کہ قرآن والتین میں اشارہ اس طرف ہے

کو جمعہ شہر میں ہو۔ رہی دوسری دلیل وہ اس سے کمزور بلکہ باطل ہے کہ ان مقامات کا گاؤں ہونا ثابت نہیں کیونکہ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی عام طور پر ہوتا ہے۔ مکہ مکرمہ کو کہتے ہیں۔ ام القریٰ قرآن پاک میں فرمایا گیا۔ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۔ اس میں مکہ اور طائف کو قریہ کہا گیا اور آج ان ہی کو قریہ بمعنی گاؤں اس جگہ بولا گیا ہو تو کیا خبر کہ اس وقت گاؤں تھا ممکن ہے کہ پہلے گاؤں رہا ہو اور بوقت نماز جمعہ شہر بن چکا ہو اس سے بھی چشم پوشی کر لیں تو کیا معلوم کہ خود سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ جمعہ ہوا۔ یا کہ صحابہ کرام کے اجتہاد سے۔ غرضیکہ یہ دلائل کمزور ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ گاؤں یا جنگل میں جمعہ جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خان غفرلہ

قبر میں نبی کریم کی زیارت پاک کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت کو نکیرین بوقت سوالات قبر میں حضور علیہ السلام کی زیارت کراتے ہیں یا شبیہ پاک کی یا خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود ہوتے ہیں اور جو اس کو بعید از عقل سمجھے اس کا کیا حکم ہے؟ نیز جو شخص دفن نہیں کئے جاتے ان سے کس طرح سوالات ہوتے ہیں۔ جیسے کسی کو جلا دیا گیا یا شیر کھا گیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان سوالات کے بارے میں جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل لمحمد۔ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر یعنی نکیرین میت سے کہتے ہیں کہ تم ان صاحب کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ خود راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (رجل) کی تفسیر میں فرمایا لمحمد یعنی ھذا الرجل سے اشارہ ذات کریم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ یعنی ھذا الرجل کہ می گویند آنحضرت را بعنوان ہذا۔ حدیث پاک کے الفاظ اور خود راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تفسیر سے ظاہر یہی ہے کہ خود سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوتے ہیں۔ نیز محدثین کرام بھی اسی معنی کو زیادہ راجح قرار دے کر اس کو مژدہ عظیم بتاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث اشعۃ اللمعات میں اسی باب اثبات عذاب القبر کی اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

" یا بہ احضار ذات شریف وے در عیان بایں طریق کہ در قبر مثالے از حضرت وے صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ساختہ

سے باشند" اسی پر اعتماد فرما کر درود عشق سے فرماتے ہیں۔ در بیجا بشارتیست مرعشاق را کہ اگر بر امید این شادی جان دہند زندہ در گور شوند بجائے آب وارد ہے

در ظلمت فراق تو گر جان دہم چہ غم ✦ غم نیست گر ز ماہ رخت پرتوے رسد

صوفیائے کرام و عاشقان نظام بھی اسی بنا پر تمنائے موت کرتے پائے گئے ہیں۔ حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے۔ قیل یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی البشریٰ عظیمۃ۔ قسطلانی شرح البخاری جلد [illegible] کتاب الجنائز میں ہے۔ فقیل یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی بشریٰ عظیمۃ للمومن ان صح۔ معلوم ہوا کہ ظاہر یہی ہے کہ خود سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ میت کو ہوتا ہے۔ کہ اس کے سوا دیگر توجیہوں میں ہذا الرجل کی تاویل کرنی پڑے گی اور مجاز وغیرہ ماننا پڑے گا۔ اور اس توجیہ پر کوئی تاویل کی حاجت نہیں کہ رجل کو صاحب الجسم کو کہتے ہیں۔ جو شخص محض بعید از عقل ہونے کی وجہ سے اس کا انکار کرے وہ ابھی تک ایمانیات سے بے خبر ہے۔ عجائبات قدرت کی کس کس بات کو اپنی ناقص عقل سے معلوم کرے گا ماں کے پیٹ میں بچہ جب تیار ہوتا ہے۔ فرشتہ اسی جگہ تقدیر لکھ جاتا ہے۔ ماں کو خبر نہیں ہوتی اور ایک ہی فرشتہ ایک ہی وقت میں ہزارہا پیٹوں میں جاکر یہ کام کر آتا ہے۔ ایک ہی منکر نکیر ایک ہی وقت میں تمام دنیا کے مدفونین سے سوال کر لیتے ہیں۔ ایک سونے والا آنکھ لگتے ہی عالم کی سیر کر لیتا ہے۔ جب اٹھا تو جہاں تھا وہیں موجود۔ تو اگر میت کی قبر میں سرکار خود تشریف فرما ہوں یا میت کی آنکھوں سے حجاب اٹھا دیئے جاویں تو اس میں کون سی قباحت ہے۔ جیسے کہ جنت کی کھڑکی قبر میں کھلتی ہے۔ حجاب اٹھا کر اور اگر اس لئے کوئی شخص اس کا انکار کرے کہ بعض محدثین نے اس کے علاوہ بھی قول لکھے ہیں۔ وہ انہی کو اختیار کرتا ہے۔ تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(۳) عذاب قبر اور سوالات قبر میں جو لفظ قبر بولا جاتا ہے۔ اس سے مراد خاص گڑھا جس کو ہم قبر کہتے ہیں نہیں ہے بلکہ مراد عالم برزخ ہے جو دنیا کی زندگی اور قیامت کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ لہٰذا ہر شخص اس قبر میں ہے خواہ دفن کیا جاوے اس کا جسم جس جگہ بھی ہوگا۔ وہاں ہی روح سے تعلق پیدا کر کے اس سے سوال و جواب اور اس کو عذاب ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر میت کو جلا دیا گیا یا شیر کھا گیا یا مچھلیوں نے کھا لیا۔ تو اس کے اجزاء اصلیہ جس کو اجزائے لاتتجزیٰ بھی کہتے ہیں۔ خود ان اجزاء سے روح کو تعلق ہو کے سوال و جواب ہوگا کہ اجزائے لاتتجزیٰ کبھی فنا نہیں ہوتے۔ جسم راکھ ہوگیا یا شیر کا پاخانہ بن گیا۔ مگر وہ اجزاء بحالہا ویسے ہی باقی رہے۔ اسی پر قیامت کے دن جسم بنایا جائے گا۔ اسی جگہ آریہ کے آواگون میں اور اس حشر اجساد میں فرق ہوگیا۔ کیونکہ آریوں کے ہاں خود روح بدل جاتی ہے۔ اور ہمارے ہاں نہیں اور آریوں کے ہاں دوسرا جسم پہلے جسم کا بالکل غیر ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں نہیں بلکہ جسم کے اصلی اجزاء ان دونوں جسموں میں ایک ہی ہیں۔ اگرچہ ان جسموں کی صورت مختلف ہے۔ اور اس میں کچھ حرج بھی نہیں ہے۔ دیکھو بچپن جوانی بڑھاپے اور بیماری تندرستی میں جسم کی شکلیں

مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن اس سے آدمی نہیں بدل جاتا کیونکہ اس کے اصلی اجزاء وہی ہیں۔ ایسے ہی قیامت میں اسی اجزاء وہی ہوں گے جسم کی شکل بدل جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی میت کو دفن نہ کیا گیا تو اس سے اسی میدان میں سوال و جواب ہوں گے جہاں وہ پڑا ہوا ہے۔ اگر کسی کو تابوت میں ہی رکھ دیا گیا۔ تو تابوت ہی میں اس سے سوال و جواب ہوں گے اگرچہ کسی کو شعور نہ ہو۔ اشعۃ اللمعات باب اثبات عذاب القبر میں ہے: "ومراد بقبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا و آخرت [illegible] ہرکہ در آب غرق شوند و در آتش سوختہ شوند و در شکم جانوران تحلیل روند [illegible] وحد مخصوصا۔" نیز شرح عقائد نسفی میں ہے: "حتی ان الغریق فی الماء والماکول فی بطون الحیوانات والمصلوب فی الھواء یعذب وان لم نطلع۔" حاشیہ شرح عقائد میں کنز العباد سے ہے: "فی الروضۃ فی الباب السادس والعشرون فان قیل ما تقول اذا مات الرجل ولم یدفن ایاما ثم یدفن ھل یسئل فی البیت فنقول اختلف المشائخ فیہ الخ وقال بعضھم یسال فی البیت فی لیلۃ یصعد الارض حولہ فیصیر کالقبر ویسال لانہ روی الاخبار انہ یسال المیت بعد الموت بلا فصل ولو مات رجل فی القریۃ فجعلوہ فی التابوت لیحملوہ الی بلد اخر متی یسئل فی القیام فی التابوت قال الفقیہ ابو جعفر البلخی یسال فی التابوت لانہ کالقبر۔" ان عبارات سے بخوبی وہ امور معلوم ہوئے جو کہ ہم نے بیان کئے۔ واللہ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتم واحکم۔

احمد یار خان عفی عنہ

حضرت مسیح کے ابن ہونے کا حکم

فتویٰ نمبر ۱۵

علمائے دین کی خدمت میں عرض ہے کہ ایک عیسائی نے ۲۶ محرم ۱۳۵۹ ہجری / ۱۶ مارچ ۱۹۴۰ء کے اخبار الفضل میں ایک مضمون دیا ہے جس میں اس نے قرآن پاک سے حضرت مسیح علیہ السلام کا ابن اللہ ہونا اور افضل الرسل ہونا ثابت کیا ہے۔ اور دعویٰ کیا ہے کہ ان دلائل کا کوئی عالم جواب نہیں دے سکتا۔ مہربانی کر کے جوابات ارقام کئے جائیں۔

الجواب

اشتہار مذکورہ فقیر کی نگاہ سے گزرا۔ اس میں محض دھوکہ بازی سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے دلائل تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

دلیل نمبر ۵ میں پادری نے لکھا ہے۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ أَحْمَدُ ۔ جیسا کہ مسیح فرماتے ہیں کہ میں ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہوگا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اگر احمد رسول نے آکر دین مسیح کو جھٹلانا تھا۔ اور مسیح کے خلاف چلنا تھا۔ تو مسیح ایسے رسول کی آمد کو بشارت کیونکر کہہ سکتے تھے اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ احمد رسول نے آکر مسیح کے لئے راستہ صاف کرنا تھا اور لوگوں کو بتانا تھا کہ نجات مسیح کے ساتھ ہے۔

جواب:- پادری جی! اسلام نے دین مسیح کو کب جھٹلایا اور اس کی مخالفت کہاں کی۔ اگر اسلام کہتا کہ دین مسیح جھوٹا تھا یا حضرت مسیح نبی نہیں تو جھٹلانا ہوتا۔ اسلام نے تو دین مسیح کیا تمام آسمانی دینوں کی تصدیق کی اور ان کے لانے والے نبیوں کو برحق فرمایا۔ ہاں ان تمام دینوں کی ایک ایک میعاد تھی کہ جس پر وہ پہنچ کر ختم ہو گئے۔ دین موسوی جس طرح حضرت مسیح کی تشریف آوری سے ختم ہوگیا اسی طرح دین عیسوی دین اسلام سے ختم ہوگیا۔ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح نے دین موسوی والوں کو جھٹلا دیا۔ قاعدہ ہے کہ جب بچہ سکول جاتا ہے تو چھوٹی کلاسوں اور چھوٹے مدرسوں میں تعلیم پاتا ہے جس قدر اس کی علمی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر بڑی کلاسوں اور بڑے مدرسوں کے پاس پہنچتا ہے۔ تو کیا بڑے مدرس چھوٹے مدرسوں کو جھٹلاتے ہیں۔ نہیں نہیں۔ بلکہ ان کے ادھورے کام کو مکمل کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ طالب علم انتہائی پاس کر کے راحت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح اور انبیائے کرام دنیا کو حسب ضرورت تعلیم دیتے رہے۔ یہاں تک کہ دنیا کے آخری اور کامل معلم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکمل دین لیکر تشریف لائے اور اب مکمل سبق دنیا کو دے گئے۔ کہ اب کسی استاد کی ضرورت نہیں رہی اور فرمایا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ پارہ ۶ رہا یہ کہ حضرت مسیح نے تشریف آوری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری کیوں دی۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔ اول تو یہ کہ دنیا نے حضرت مسیح کو جھٹلایا اور دنیا کے اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق فرمائی جس سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں ان کی تصدیق ہو گئی۔ دنیا نے ان کو اور ان کی کنواری طیبہ طاہرہ والدہ ماجدہ کو عیب لگایا۔ اس رحمت عالم علیہ السلام نے ان کے دامن عفت سے یہ دھبہ ایسا دور فرمایا کہ جو قرآن پڑھے ان کی طہارت کے گیت گائے اور جس دور میں توحید کو وہ لائے تھے۔ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ غرضیکہ اس رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی بدولت ان کی رسالت کی تصدیق، ان کی والدہ ماجدہ کی پاکدامنی کی تائید ان کی کتاب کی حمایت ان کے کلام کی تکمیل ہوئی۔ پھر کیوں نہ خوش ہو کر فرماتے کہ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ۔ اگر قرآن نے اس طرح ان کا چرچا نہ کیا ہوتا تو دنیا ان کے نام سے ناآشنا ہو چکی ہوتی۔ آج دنیا میں ان ہی انبیاء اور کتابوں کا نام روشن ہے جن کو اس آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرما دیا جن کا اسلام نے ذکر نہ کیا ان کے نام بھی بھولے جا چکے۔

پادری جی! مسیح کا نام اسلام سے زندہ ہے نہ کہ آپ سے۔ پادری جی نے شاید سوتے میں کہہ دیا کہ احمد رسول نے؟

کہ مسیح کے لئے رستہ صاف کرتا تھا۔ جناب ہوش سنبھالو۔ بادشاہ کے آنے سے پہلے راستہ صاف ہوتا ہے۔ یا گدی بیٹھنے کے بعد اور بادشاہ کی آمد کی خبر اس کے ماتحت لوگ دیتے ہیں یا کہ ماتحت کی خبر بادشاہ۔ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک بادشاہ کی آمد کی خبر دی اور ان کے لئے راستہ صاف فرمادیا۔ تمام انبیاء نے ان کی تشریف آوری کی خبریں اپنی اُمتوں کو دیں اور ان کی آمد کی دعائیں مانگیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ۔ الٰہی مکہ والوں میں رسول۔ ان ہی میں پیدا فرما ؎

تمنا ہیں جن کے انبیاء مانگیں رسل جن کی دعا ٭ وہ دو جہاں کے شاہ اعلیٰ ہیں تو ہیں

دوسری دلیل: آپ فرماتے ہیں۔ كَيْفَ تَهْلِكُ أُمَّةٌ أَنَا أَوَّلُهَا وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ آخِرُهَا یعنی امت کے شروع میں ہوں اور آخر میں مسیح ابن مریم ہیں۔ وہ تباہ نہیں ہوسکتی۔ دیکھئے کس صفائی سے فرمایا کہ اگرچہ امت کی نجات شروع میں مجھ سے وابستہ ہے مگر آخری زمانہ میں مسیح ابن مریم ہی نجات کا ذریعہ ہوں گے۔

جواب: پادری جی! یہ الٹی گنگا کس طرح بہہ رہی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سینکڑوں برس پہلے گذر چکے ہیں۔ پھر وہ حضور سے بعد میں کیوں ہوگئے۔ افسوس تم نے آنکھ پر پٹی باندھ کر حدیث لکھی۔ سنئے پہلے عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں نبی کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔ اب دوبارہ اُمت نبی آخر الزمان کی حیثیت سے تشریف آوری ہوگی۔ اور اسلام کے مبلغ کی حیثیت سے۔ جیسے کہ ایک جج کسی بڑے جج کی کچہری میں کسی مقدمہ کی گواہی دینے جائے۔ تو اگرچہ وہ اپنی کچہری میں جج ہے۔ مگر یہاں اس بڑے جج کا گواہ اور اس جج کا ماتحت۔ سبحان اللہ اس امت مرحومہ کا کیا رتبہ ہے کہ ایک نبی معظم اس کی اُمت کا فرد ہے۔ اس حدیث میں یہ کہا ہے۔

تیسری دلیل: چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمان گوناگوں مصائب میں گرفتار ہیں اور دنیا میں ہر لحاظ سے گر رہے ہیں۔ اس کا سبب یہی ہے کہ جناب مسیح کو مسلمان قبول کرکے دین مسیحی میں داخل نہیں ہوتے۔

جواب: مسلمانوں کی پستی اور کمزوری صرف اس لئے ہے کہ وہ اسلام پر پوری طرح قائم نہ رہے۔ ورنہ جب تک مسلمان پختہ تھے تب تک انہوں نے یہودی عیسائی مشرکین وغیرہم تمام کو اپنا غلام بنالیا۔ پادری صاحب پچھلی لڑائیاں بھول گئے کیا قادسیہ اور یرموک کے میدان آپ کو یاد نہ رہے کہ جہاں عیسائی ۸ لاکھ اور مسلمان صرف چالیس ہزار تھے۔ مگر عیسائیوں کو وہ مار پڑی کہ آپ اب بھی جانتے ہوں گے۔ اور آپ کا سر اب تک یاد کرتا ہوگا۔ مسلمانوں نے روم و ایران بلکہ تمام دنیا پر صدہا برس تک نہایت شان و شوکت سے حکومت کی۔ ابھی سو رہے ہیں۔ مگر سمجھو کہ یہ سوتے ہوئے شیر ہیں۔ اچھا اگر ہم مان لیں کہ عیسائیت سے عزت ملتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ اینگلو انڈین کی انگریز عیسائیوں کے سامنے موچی کے برابر بھی عزت نہیں۔ امریکہ والے اپنی خیرات سے چند روپیہ ماہانہ ان کو تنخواہ دیتے ہیں جس سے بمشکل تمام ان کی گذران ہوتی ہے۔ نہ پاؤں میں جوتا ہے نہ سر پر ٹوپی نہ بدن پر عمدہ کپڑے۔ ان کا گرجا علیحدہ ان کا قبرستان علیحدہ کیوں صاحب مسیحی تو یہ بھی ہیں

انہیں کہیں نہ عزت ملی۔ آؤ اسلام کی آغوش میں تو عزت بھی پاؤ گے اور ہدایت بھی۔

چوتھی دلیل: جب کوئی نبی زندہ آسمان پر نہ گیا اور خدا نے اس قابل نہ سمجھا کہ وہ دوبارہ آکر اُمت محمدیہ کی اصلاح کرے اور اس عظیم الشان کام کو کرنے کے لئے صرف مسیح کو ہی منتخب کیا۔ تو مسیح کی افضلیت میں کیا کمی رہ گئی۔

جواب: میں ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ بادشاہ نے دشمن کے مقابلہ میں ایک سپہ سالار کو سوار لشکر بنا کر بھیجا مگر دشمن اس سے نہ دبا۔ بلکہ اس کے قتل کی تیاری کی۔ لہٰذا بادشاہ نے اسے واپس بلالیا اور دوسرا سپہ سالار بھیجا جس نے تمام دشمنوں کو مغلوب کر لیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر حکم دیا کہ چونکہ تم دشمن پر غالب آگئے اور دنیا تم کو مان گئی۔ لہٰذا تم وہاں ہی رہو اور جہاں کے جاؤ خوب حکمرانی کرو۔ پھر پہلے کو دوسرے کا ماتحت بنا کر بھیجا۔ ان دونوں میں کون سپہ سالار بڑے رتبہ والا ہے۔ ہر عقلمند کہے گا کہ دوسرا۔ جناب مسیح علیہ السلام کے یہودی ایسے دشمن ہوئے کہ ان کو قتل کرنے کے ارادے سے قید کر دیا۔ اس وقت مدد الٰہی نے ان کی دستگیری کی اور ان کو آسمان پر بلالیا۔ برخلاف اس کے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ بغیر دنیاوی سامان اور شوکت کے ساری دنیا سے مقابلہ کیا صرف ۲۳ سال کی تھوڑی مدت میں عالم کی ہوا بدل دی۔ پیغام الٰہی پہنچا دیا۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ۔ اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ اور ان پر خوب سختی کرو۔ کہئے جو کفار سے تنگ آکر تارک الدنیا ہو جائے اور جو ان میں رہ کر ان کی اصلاح کرے۔ ان میں کون افضل ہے؟ رہا آسمان پر جانا رہنا۔ اس میں کوئی ایسی خاص افضلیت نہیں کہ صرف اس کی وجہ سے تمام انبیاء سے افضل کہا جائے حضرت ادریس علیہ السلام تو حضرت مسیح سے بھی اوپر ساتویں آسمان پر بلکہ بہشت میں تشریف فرما ہیں۔ ملائکہ، چاند، تارے سورج آسمان پر ہی ہیں کیا پادری صاحب ان سب کو حضرت مسیح سے افضل جانیں گے۔ ہاں آسمان پر بلایا جانا وہاں کی سیر کرانا اگر خدا نے قدرت کی جھانکی ہو۔ ملائکہ زمین پر لینے کو آئیں۔ تمام جنت و دوزخ عرش و کرسی کی سیر کرائی جائے۔ راز و نیاز ہو۔ اس جانے میں اور اس جانے میں بڑا فرق ہے۔ حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح معراج میں بلایا گیا۔

پانچویں دلیل: ہم مسیح کو خدا کا بیٹا کیوں نہ مانیں جب قرآن کہتا ہے کہ خدا ہی حی و قیوم ہے یعنی زندہ اور غیر متغیر ہے۔ مگر مسیح دو ہزار سال سے زندہ اور غیر متغیر آسمان پر بیٹھا ہے۔ لہٰذا وہ بھی خدا یا خدا کا بیٹا ہے۔

جواب:۔ پادری جی۔ یہ تو خوب کہا کہ جس کی عمر بڑی ہو اور آسمان پر بیٹھا رہتا ہو۔ وہ خدا کا بیٹا۔ تو سارے فرشتے خدا کے بیٹے چاند سورج۔ حضرت ادریس علیہ السلام خدا کے بیٹے بتاؤ تو خدا کے کتنے بیٹے ہیں۔ اور کس کس بیوی سے پیدا ہوئے اور تمہارے خدا کا نکاح کتنی جگہ ہوا۔ کہاں کہاں خدا کی سسرال ہوئی۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ اگر اوپر رہنے ہی میں افضلیت ہوا کرے۔ تو دریا میں حباب اوپر اور موتی نیچے ہے۔ ہر

ہلکی چیز اوپر اور بھاری چیز نیچے رہتی ہے۔ تو کیا موتی سے حباب افضل ہوتا ہے۔ ع
حباب برسر آب و گوہر تہ دریاست۔ حضرت مسیح علیہ السلام صرف ڈیڑھ دن آسمان پہ قیام فرمائیں گے۔ جو یہاں کے صدہا سال ہوئے۔ اس زمانہ میں جب وہ اس دنیا میں قیام فرما ہوں گے تو وہ زمانہ عمر قرار نہ پائے گا۔ اور اگر مان بھی لیں تو کیا ضروری ہے۔ ہر بڑی عمر والا چھوٹی عمر والے سے ہر طرح افضل ہو۔ اگر باپ کی عمر پچاس سال اور بیٹے کی سو سال ہو تو کیا بیٹا باپ سے افضل ہوا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے ۳۳ سال دنیا میں قیام فرمایا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے پندرہ سو برس۔ تو کیا حضرت نوح کو تم عیسیٰ علیہ السلام سے افضل مطلق مانو گے۔ سانپ۔ گدھ اور بعض درختوں کی عمریں انسان سے بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ تو کیا یہ چیزیں انسان سے افضل ہیں۔ ہرگز نہیں۔

چھٹی دلیل:۔ خدا کے سوا کسی انسان کی کیا مجال ہے کہ وہ مردے زندہ کرے آدم سے لے کر اب تک کسی نے ایسا نہ کیا۔ لیکن ایک ہستی ایسی پائی جاتی ہے جس نے مردے زندہ کئے۔ وہ ہمارے منجی خداوند مسیح ہیں۔ اب آپ کے لئے دو ہی راستے ہیں یا تو یہ تسلیم کریں کہ قرآن کی یہ آیت درست نہیں۔ کہ خدا ہی مردے زندہ کرتا ہے یا یہ مانیں کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ کیونکہ بیٹا باپ سے جدا نہیں۔

جواب:۔ پادری جی! معجزوں کا کون منکر ہو سکتا ہے۔ بے شک جناب مسیح علیہ السلام نے مردے زندہ کئے۔ لیکن معجزے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کام خدا کی طرف سے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا۔ وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰهِ۔ یعنی میں خدا کے حکم سے مردے زندہ کرتا ہوں۔ ان معجزات سے کوئی بھی نبی خدا کا بیٹا نہ بنا۔ آپ کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ آدم سے لے کر اب تک کسی نبی اور ولی نے مردے زندہ نہ کئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ایک شخص مردے کو گائے کے کچھ اعضاء مار کر زندہ فرمایا اور ان کا یہ معجزہ تو مشہور ہی ہے۔ کہ لاٹھی کو زندہ سانپ بنا دیتے تھے۔ عزیر نے آدمی زندہ کئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ۴ پرندوں کو ذبح فرما کر زندہ فرمایا۔ جس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ ثُمَّ ادۡعُهُنَّ یَاۡتِیۡنَكَ سَعۡیًا۔ خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردے زندہ کئے چنانچہ حجۃ الوداع میں اپنے والدین ماجدین کو زندہ فرما کر انہیں اسلام کی تلقین فرمائی۔ دیکھو شامی۔

اسی طرح حضرت جابر کے دو بچوں کو زندہ فرما کر اپنے ساتھ کھانا کھلوایا۔ جن میں سے ایک کو دوسرے نے ذبح کر دیا تھا۔ اور دوسرا چھت سے گر کر فوت ہو چکا تھا۔ ان کے صحابہ کرام

سے ان کا نام لے کر مردے زندہ کئے۔ چنانچہ ایک انصاری نابینا بڑھیا نے اپنے بیٹے کو آپ کا نام لے کر زندہ کیا۔ دیکھو شرح قصیدہ بردہ خرپوتی کی اس شعر کی شرح ؎

لَوْ نَاسَبَتْ قَدْرَهٗ اٰیٰاتُهٗ عِظَمًا ۔ اَحْیٰی اِسْمُهٗ حِیْنَ یُدْعٰی دَارِسَ الرِّمَمِ

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؎

وَسَالَتْ بَرَكَتُكَ فِي ابْنِ جَابِرٍ بِفَضْلِهَا ۔ اَنْ مَاتَ اَحْيَاهُ وَقَدْ كَانَ اَنْ حَقًّا

ان کی اُمت کے اولیاء نے ہزارہا مردے زندہ کئے جیسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اگرچہ آپ ان باتوں کو نہ مانیں۔ مگر چونکہ آپ نے ہم کو ہمارے مذہب سے الزام دیا۔ اس لئے یہ جواب دیا گیا۔

اور سنئے حضرت اسرافیل صور پھونک کر تمام مردوں کو زندہ کریں گے حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنے مرے ہوئے گدھے کو سو برس کے بعد زندہ دیکھا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہو۔

ساتویں دلیل :-

آدم سے رسول عربی تک کسی نے کچھ بھی پیدا نہ کیا لیکن یہاں بھی مسیح کی امتیازی شان موجود ہے چنانچہ سورۂ آل عمران میں لکھا ہے۔ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًا ۔ اب یا تو یہ سمجھو کہ قرآن کی یہ آیت صحیح نہیں کہ صرف خدا ہی خالق ہے۔ یا یہ تسلیم کرو کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے اور باقی نبیوں سے افضل۔

جواب :-

پادری جی! تم نے دھوکہ دینے کو آیت صحیح پوری نہ لکھی اور ترجمہ بھی غلط کیا۔ سنئے! آیت پوری یہ ہے۔ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ یعنی میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ وہ پھونک مارنے سے خدا کے حکم سے فوراً پرندہ ہو جاتی ہے اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اور زندہ کرتا ہوں مردے کو خدا کے حکم سے (آل عمران) اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردے زندہ کرنا بیماروں کو اچھا کرنا اور تمام معجزات دکھانا خدا کے حکم سے تھا۔ اَخْلُقُ کے معنی اس جگہ بنانے کے ہیں۔ نہ کہ پیدا کرنے کے ورنہ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ کا لفظ بیکار رہے گا۔ یعنی میں پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ قرآن پاک میں خلق کا لفظ بنانے کے لئے اور جگہ بھی بولا گیا ہے۔ کفار سے خطاب کر کے فرمایا گیا وَتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۔ (عنکبوت) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کو پکار کر زندہ فرمایا۔

ماں کے پیٹ میں فرشتہ ہی بنا کرتا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کے بغل میں اسی طرح پھونک مار کر خود مسیح کو بنایا۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کا جسم بنایا۔ شاید ان سب کو آپ خدا کا بیٹا تسلیم کریں۔ سبحان اللہ! اتنی سی قابلیت اور علم میں مسلمانوں سے الجھ بیٹھے۔

آٹھویں دلیل :۔ قرآن مسیح کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہتا ہے۔ زمین پر آپ کا کوئی باپ نہ تھا۔ اور خدا آپ انسانی نطفہ سے پیدا ہوئے، اور یہی وجہ ہے کہ آپ پر موت قبضہ نہ کر سکی؟

جواب :۔ پادری جی! اور بھی تعجب کی بات سنئے کہ میں اور آپ بھی روح اللہ ہیں یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی روح۔ ہر چیز اللہ نے بنائی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ خلاف عادت طریقہ سے بغیر واسطہ باپ پیدا ہوئے۔ ان کی عزت بڑھانے کے لئے روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا گیا۔ یعنی بغیر واسطہ باپ۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی روح۔ جیسے کہ آپ گرجا کو کہتے ہیں بیت اللہ۔ کیا خدا اس میں رہتا ہے؟ نہیں بلکہ مطلب یہ کہ کسی انسان کا اس پر دعویٰ ملکیت نہیں اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل ہو۔ تو حضرت آدم و حوا بدرجہ اولیٰ خدا کا بیٹا اور بیٹی ہوں گے اور تمام فرشتے خدا کی اولاد۔ یہ سب بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے۔ غرضیکہ یہ تمام باتیں لغو اور بے بنیاد ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

احمد یار خاں عفی عنہ

قرآن کریم کو ہندی رسم الخط میں لکھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سید غلام بھیک نیرنگ نے ایک تجویز پیش کی ہے کہ قرآن کو ہندی رسم الخط میں چھاپا جائے تاکہ اس سے دیگر اقوام ہند میں تبلیغ کا کام ہو سکے آیا جائز ہے یا نہیں؟ نیز عرض یہ ہے کہ قرآن کی تحریر کی آیات قرآنیہ سے مشق جائز ہے یا نہیں؟ اور حمائل وغیرہ چھاپنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

خدائے پاک میر صاحب کے حال پر رحم فرمائے۔ ان کو اس تجویز میں جو سوجھی ہے وہ ارادے پر نقش میں اعجاز قرآن کو مسلمانوں کا حق دلایا اور برعکس نام نہند زنگی کا فور نام کھا مخول لیا اب یہ نئی سو جھی۔ خدائے پاک فرماتا ہے۔ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ اس آیت میں حافظین کو مطلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم تلاوۃً وکتابۃً ہر طرح محفوظ ہے جس طرح اس کی عبارت بدلنا جائز نہیں اور وہ

قرآن نہ ہوگا۔ اسی طرح اس کا رسم الخط بھی بدلنا جائز نہیں کہ وہ قرآن کی تحریر نہ ہوگی۔ ہندی یا انگریزی تو دور کا سوال ہے یہاں تو خط نستعلیق میں قرآن لکھنا منع ہے۔ نسخ میں ہی لکھا جاوے گا۔ اور نسخ میں اسی طرح اسی روش سے جس طرح منقول ہوتا چلا آرہا ہے۔ اگرچہ اب ہماری رسم الخط اس کے خلاف ہو گئی ہو۔ جیسے بسم اللہ کا سین دراز ہی کرکے لکھا جاوے گا۔ فسقعفا تحریر ہی سے لکھا جاوے گا۔ ذکر نون خفیہ سے جیسے بئس الاسم الفسوق۔ لام الف سے لکھا جاوے گا اگرچہ پڑھنے میں صرف لام آتا ہے۔ غرضیکہ طریقہ تحریر بھی سلف عثمانی کے موافق ہوگا۔ اتقان جلد دوم صفحہ ۱۷۱ میں کتابۃ القرآن کے ذکر میں ہے۔ وهل يجوز غير عربي الاقرب المنع كما تحرم قرأته بغير لسان العربي لقولهم القلم احد اللسانين وقد قال تعالى بلسان عربي مبين اسی میں صفحہ ۱۷۲ پر ہے وقال الامام احمد يحرم مخالفة خط مصحف عثمان في واو وياء او الف وغير ذالك اسی طرح پر ہے۔ قال البيهقي في شعب الايمان من يكتب مصحفا فينبغي ان يحافظ على الهجاء الذي كتبوا به تلك المصاحف ولا يخالفهم فيه ولا يغير مما كتبوه شيئا فانهم كانوا اكثر علما واصدق قلبا ولسانا واعظم امانة منا فلا ينبغي ان نظن بانفسنا استدراكا عليهم اتقان جلد دوم صفحہ ۱۷۰ نوع في مرسوم الخط میں ہے سئل مالك هل يكتب المصحف على ما احدثه الناس من الهجاء فقال لا الا على الكتبة الاولى اسی صفحہ ۱۷۰ میں ہے عن ابن سيرين انه كان يكره ان تمد الباء الى الميم حتى تكتب السين۔ ان عبارات سے بالکل ظاہر و باہر ہو گیا کہ قرآن کریم کی تحریر عربی خط میں ہی ہوگی اور وہ بھی موافق مصحف عثمانی خواہ آج کل کی رسم الخط اس کی موافقت کرے یا نہ کرے۔ جبکہ رسم الخط قرآن میں اس قدر پابندی ہے تو ہندی یا انگریزی رسم الخط میں قرآن لکھنا تو صریح تحریف ہے کہ اولاً تو اوپر ذکر کی ہوئی پابندیوں کے خلاف ہے۔ دوم سین۔ صاد و ثاء میں اسی طرح ق اور ک میں ذ۔ ز۔ ظ میں فرق بالکل نہ ہو سکے گا۔ مثلاً ظاہر کے معنی ہیں ظاہر اور ناہر کے معنی ہیں چمکدار یا تروتازہ اب اگر ہندی میں آپ نے [illegible] یا انگریزی میں ZAHIR لکھا تو کیسے معلوم ہو کہ ظاہر ہے یا ناہر اسی طرح ناہر اور طاہر دوم یہ قدیر اور قادر اور دونوں انگریزی اور ہندی میں ایسے لکھے جاتے ہیں [illegible] QADIR جا بجا قادر اور قدیر۔ سامع اور سمیع۔ عالم اور علیم میں کس طرح فرق رہے گا۔ غرضیکہ اوصاف الفاظ تو درکنار خود حروف ہی منقلب ہو جائیں گے۔ اور معنی ہی ختم۔ میر صاحب قبر میں جاتے کہیں کیا یا اعمال نکھر کر دکھائیں گے۔ اب قرآن کے پیچھے کیوں پڑ گئے بعض علماء تو قرآن میں زیر زبر اور نقطہ اعراب اور آیات اور اسماء سور

لکھنے کے بھی خلاف رہے مگر یہ محسوس کر کے کہ ان کے بغیر لوگ قرآن صحیح نہ پڑھ سکیں گے ۔ اور ان سے قرآن غیر قرآن سے مشتبہ نہیں ہوتا اور سلامت قرأۃ میں اس سے مدد ملتی ہے جائز رکھا گیا ۔ اسی اختلاف کو صاحب اتقان بیان فرما کر فرماتے ہیں ۔ واما النقط فیجوز لانہ لیس لہ صورۃ فیتوھم لاجلہا لیس بقرآن قرآنی اعراب و قرآنیہ میں یہ صورت ہے تو نسخ قرآن کیونکر جائز ہو سکتا ہے ۔ خدا ہدایت نصیب فرمائے آمین ۔

احمد یار خاں عفی عنہ

بوقت نکاح خاوند کی شرائط لکھنے اور پورا نہ کرنے کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۳

علمائے دین و ہادیان شرع متین مسئلہ ذیل میں از روئے شرع شریف کیا فرماتے ہیں ۔ زید کی شادی ہندہ سے بہ تحریر ایں شرائط ہوئی ۔

(۱) مہر حسب المطلب ۔ ۔ ۔ ۵ ادا کیا جائے گا ۔ (۲) نان و نفقہ کا کفیل رہوں گا ۔

(۳) زوجہ کی دلجوئی رکھوں گا ۔ (۴) چکی وغیرہ پیسنے پر مجبور نہ کروں گا ۔

(۵) بصورت انقلاب ناچاقی دس روپے ماہوار گذارے کے لئے دیا کروں گا ۔

(۶) بوجوہات مجبوری زوجہ کو تفویض طلاق کا بھی اختیار ہے ۔ مولوی سید احمد شاہ ازلاہور

(۷) جو ظروف خانہ داری اور زیور طلائی و نقرئی میری جانب سے زوجہ کو دیئے گئے ہیں ۔ وہ ملکیت زوجہ ہوں گے قبل از نکاح وارثان زوجہ نے حلفی قول سے اطمینان دلایا کہ زوج پٹواری ملازم ہے اور انگریزی دسویں جماعت پاس ہے ۔ بعد نکاح جو زیور نکاح میں چڑھائے گئے ۔ وہ عاریۃً تھے جو کہ دوسرے ہی دن اتار لے گئے ۔ اور ثابت ہوا کہ زوج نہ دسویں جماعت پاس ہے اور نہ پٹواری ہے ۔ بلکہ جنگل میں مویشی چراتا ہے ۔ ایسی صورت میں زوجہ کو یہ اختیار کام میں لانے کا اختیار ہے یا نہیں کیونکہ وارثان زوج کی غلط بیانی اور دھوکہ دہی پورے طور پر ثابت ہے ۔

الجواب

صورت مذکورہ میں عورت کو طلاق لینے کا حق نہیں ۔ جب تک کہ شوہر اپنی طرف سے طلاق نہ دے تب تک وہ نکاح سے خارج نہیں ہو گی ۔ اولاً تو اس لئے کہ سائل کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ شرائط مذکورہ پہلے طے کر کے پھر ایجاب و قبول ہوا یعنی شرائط نکاح سے پہلے طے ہوئیں لہٰذا یہ نکاح الشرط ہوا اور نکاح بالشرط میں نکاح صحیح اور

شرائط فاسدہ فاسد رہتی ہیں۔ در مختار میں قبیل باب الاول میں ہے۔ ولکن لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد وانما یبطل الشرط دونہ ولکن لو کان النکاح معلقاً علی ھذہ الشرط لم ینعقد النکاح کما ھو مصرح فی ھذا المقام۔ نیز نکاح سے قبل زوج خود ہی طلاق دینے کا مالک نہ تھا۔ تو جس کا خود مالک نہ ہو اس کا دوسرے کو کس طرح مالک کر سکتا ہے۔ فان التملیک تفریع من الملک۔ ہاں اگر زوج کی طرف سے ایجاب بشرط تملیک طلاق ہو تو تفویض درست ہے۔ در مختار باب الامر بالید میں ہے۔ نکحھا علی ان امرھا بیدھا صح۔ اس کے ماتحت رد المحتار میں ہے۔ مقید بما اذا ابتدأت المرأۃ فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق ولا یصیر الامر بیدھا۔

دوم اس لئے کہ تحریر یہ ہے کہ بوجوہات مجبوری زوجہ کو تفویض طلاق کا اختیار بھی ہے اس عبارت میں مجبوری کی بنا پر طلاق کی تفویض کا اختیار دیا گیا ہے اور مجبوریوں کی تفصیل بالکل نہیں کی گئی کہ کس قسم کی مجبوری۔ اور ظاہر ہے کہ شوہر کا انگریزی وضع یا جماعت پاس نہ ہونا یا مجاوری نہ ہونا یا زیورات کا عاریۃً ہونا ایسی مجبوری نہیں جس سے طلاق حاصل کی جاوے۔ اور نکاح جیسی نعمت کو خیر باد کہا جاوے۔ زیور کے بغیر زندگی بے تکلف گذاری جا سکتی ہے۔

سوم لکھا گیا ہے کہ تفویض طلاق کا بھی اختیار ہے اس میں طلاق کا اختیار نہ دیا گیا بلکہ تفویض طلاق کا اور یہ الفاظ اختیار طلاق کے نہیں کہ اختیار کے لئے الفاظ خاص ہیں۔ در مختار باب تفویض الطلاق میں ہے۔ والفاظ التفویض ثلثۃ تخییر وامر بید ومشیۃ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ بوجوہ ثلثہ مذکورہ بالا عورت کو طلاق لینے کا حق نہیں۔ واللہ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

خیار بلوغ کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کے والدین بحالت شیر خوارگی فوت ہو گئے۔ اور پانچ سال کی عمر میں اس کی نانی نے اس کا نکاح کر دیا۔ بالغ ہوتے ہی لڑکی نے نکاح کو نامنظور کر دیا اور کہا کہ نہ میرا نکاح ہوا اور نہ مجھے منظور۔ نہ مجھے خبر۔ حکام وقت سے اجازت نکاح ثانی ہو گئی اور انہوں نے نکاح اول فسخ کر دیا اب شرعاً اس کا نکاح ثانی درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

از گجرات

الجواب

صورت مسئولہ میں چونکہ نابالغہ کا نکاح نانی نے کیا ہے۔ اس لئے لڑکی کو خیار بلوغ ملے گا۔ اور بالغ ہوتے ہی فسخ کر سکے گی۔ ہدایہ میں ہے۔ وان زوجہما غیر الاب والجد فلکل واحد منہما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ باب الاولیاء والاکفاء لیکن اس فسخ کے لئے قضائے قاضی ضروری ہے۔ کنز میں ہے۔ ولہما الفسخ بالبلوغ فی غیر الاب والجد بشرط القضاء۔ چونکہ اس زمانہ میں شرعی سلطانی قاضی نہیں۔ اس لئے کسی ایسے احکام کے لئے وہی قاضی ہیں۔ کچہری کے حکام کا حکم اس بارے میں نافذ نہیں۔ کہ ان میں سے اکثر غیر مسلم ہیں اور جو مسلم ہیں وہ قانون انگریزی کے پابند ہیں۔ شرعی احکام نافذ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس صورت میں عالم مذکور کو ہی بعض امور میں قاضی مانا جائے گا۔ شامی کتاب الجہاد (فیما یصیر دار الاسلام دار حرب) میں ہے۔ واما فی بلاد علیہا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین۔ اسی شامی کتاب القضاء میں ہے۔ واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منہ یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منہم یجعلونہ والیا فیولی قاضیا ویکون ہو الذی یقضی بینہم۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ صورت مذکورہ میں اگر لڑکی نے بالغ ہوتے ہی فوراً فسخ نکاح کر دیا تو کسی باشرع عالم دین سے حکم فسخ لے کر اور حاکم وقت سے جاری کرا کر اور جگہ نکاح کر سکتی ہے واللہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

دوسرے قومہ میں ہاتھ چھوڑ کر دعا مانگنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۵

بخدمت شریف جناب مولانا صاحب السلام علیکم۔ واضح رائے عالی ہو کہ جامع مسجد کالری دروازہ گجرات میں سید عنایت اللہ شاہ نے جدید طریقہ سے صبح کی نماز فرض شروع کر دی ہے یعنی دوسرے قومہ میں ہاتھ چھوڑ کر دعا مانگنی بعدہ سجدہ کرنا۔ آپ اس کے جواب میں کیا فرماتے ہیں۔ آپ مجھے تحریری بحوالہ کتب عنایت فرمادیں۔ والسلام

الجواب

نماز موجودہ میں کسی نماز کے قومہ میں کوئی دعا خواہ قنوت نازلہ ہو یا کچھ اور پڑھنا منع ہے کہ اس سے تاخیر سجدہ لازم آتی ہے سوائے وتر۔ اور کسی نماز میں دعائے قنوت جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے۔ ولا یقنت

فی صلوٰۃ غیرھا۔ اسی میں ہے۔ ولھما انہ منسوخ باب الوتر۔ حضور علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قنوت نازلہ پڑھنا ثابت ہے وہ منسوخ ہے۔ کہ صرف ایک ماہ حضور نے پڑھی پھر چھوڑ دی چنانچہ مسلم اور بخاری میں ہے۔ کان اذا اراد ان یدعوا علی احد او یدعوا لاحد قنت بعد الرکوع حتی انزل اللہ لیس لک من الامر شیء۔ نیز ابو داؤد و نسائی میں ہے۔ قنت شھرا ثم ترکہ۔ مشکوٰۃ باب القنوت۔ ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ فجر کے فرضوں میں بعد رکوع دعا پڑھنا منسوخ ہے۔ اور قرآن کریم کی اس آیت سے منسوخ ہے۔ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ خواندن ایں قنوت در نماز صبح نمود و در نماز صبح کہ قنوت خواندہ اند در بعض قضیہ بود فقط ذکر وائی؟ اسی اشعۃ اللمعات میں ہے۔ نیست قنوت نہ در نماز صبح و نہ در غیر آں جز در وتر یعنی وتر کے سوا کسی نماز میں دعاء قنوت نہیں ہے۔ ابن ماجہ و ترمذی میں ہے۔ وعن ابی مالک الاشجعی قال قلت لابی انک قد صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان وعلی ھھنا بالکوفۃ نحوا من خمس سنین اکانوا یقنتون قال ای بنی محدث یعنی ابو مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق و فاروق و عثمان غنی و حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی۔ کیا یہ لوگ نماز صبح میں دعا قنوت پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اے بیٹے یہ بدعت ہے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ قنوت فجر میں کسی قسم کی دعا پڑھنا منع ہے۔ نیز اس میں فرض یعنی سجدے کی تاخیر ہے۔ یہاں تک کہ جماعت میں امام کہے سمع اللہ لمن حمدہ تو مقتدی کہے ربنا لک الحمد۔ امام ربنا لک الحمد نہ کہے۔ جب امام کو ربنا لک الحمد کہنا بھی نہ چاہیے۔ تو اتنی لمبی دعائیں پڑھ کر سجدے میں تاخیر کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ ہدایہ باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے۔ یقول المؤتم ربنا لک الحمد ولا یقولھا الامام ابی حنیفہ کے یہاں یہ حکم ہے کہ جب اسلام یا عامۃ المسلمین پر کوئی آفت آئے تو قنوت نازلہ پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ بہتر نہیں جیسا کہ شامی وغیرہ میں موجود ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس زمانہ میں اسلام یا عامۃ المسلمین پر کون سی ایسی آفت آن پڑی ہے جو جہاد یا ایک سال پیشتر نہ تھی۔ نیز یہ بھی خیال رہے کہ عمر و عثمان و علی و حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شہادت ہوئی۔ اتنا بڑا واقعہ کربلا ہوا۔ مگر کہیں ان حضرات نے ایسے موقعوں پر قنوت نازلہ نماز صبح میں نہیں پڑھی۔ اب واقعہ کربلا سے بڑھ کر کون سا واقعہ ہو رہا ہے۔ جس کے لئے یہ دعا پڑھی جا رہی ہے کسی کا جیل میں ہو آنا یا حکومت کا کسی کے خلاف ہو جانا واقعہ ابتلاء اسلام نہیں ہے۔ اب ہندوستان میں وہابی غیر مقلد یہ دعا پڑھتے ہیں۔ شاید دیوبندی چونکہ حقیقۃً غیر مقلد ہیں اور صرف مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے حنفی شکل ظاہر کرتے ہیں۔ وہ بھی پڑھتے ہوں گے کیونکہ یہ قنوت نازلہ نماز

فجر وغیرہ کو پڑھنا منع ہے۔ عام کتب فقہ میں اس کی ممانعت موجود ہے۔ مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہیئے اور آفت ناگہانی کے لئے قنوت چند روز پڑھی جائے نہ کہ ہمیشہ۔ جیسے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ پڑھی۔ اور جیسے کہ استسقاء کہ صرف تین دن پڑھی جاتی ہے نہ کہ بارش کے آنے تک۔ پھر بھی بہتر یہی ہے کہ نماز سے خارج پڑھیں۔ اگر ایسے نازک موقع پر نماز فجر میں پڑھیں تو اگرچہ بہتر نہیں مگر جائز ہوگی۔

احمد یار خان عفی عنہ

حرمت اور غیر حرمت والی عورتوں کا بیان

فتوی نمبر ۵۶

علمائے دین اس بارہ میں کیا فرماتے ہیں کہ محرمات عورتوں کے پہچاننے کا کیا قاعدہ ہے؟ اور ذی رحم محرم اور حرام عورت میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ اور کیا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک عورت کبھی حرام اور کبھی حلال ہو یا حرام ہمیشہ حرام رہے گی اور حلال ہمیشہ حلال اور عورتوں کی تحریم میں کیا مصلحت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

عورتوں کی حرمت دو طرح کی ہے۔ اصلی اور عارضی۔ اصلی یہ ہے کہ عورت اصل سے ہی حرام ہو۔ اور عارضی وہ ہے کہ کسی وجہ نے عورت کو حرام کر دیا۔ ورنہ بذاتہ وہ حلال تھی۔ عارضی حرمت پھر دو طرح کی ہے لازم اور غیر لازم۔ لازم وہ جو اب کبھی حلال نہیں ہو سکتی اور غیر لازم وہ کہ اگر یہ عارضہ اٹھ جائے۔ تو عورت حلال ہو جاتی ہے۔ عارضی غیر لازم کی کل چار صورتیں ہیں۔

۱۔ عورت کا مشرکہ یا مجوسیہ ہونا کہ اگر آج مسلمان ہو جائے۔ تو اس سے نکاح جائز ہے۔

۲۔ اجنبیہ عورت کا منکوحہ غیر ہونا کہ اگر اس کا شوہر مر جائے یا طلاق دیدے تو حلال ہے۔

۳۔ اس کی بہن یا پھوپھی یا خالہ یا بھانجی یا بھتیجی کا اپنے نکاح میں یا چار عورتوں کا ہونا اس کی موجودگی میں ان سے نکاح ناجائز ہے۔ لیکن اگر اس کو طلاق دیدی یا مر گئی۔ تو ان سے نکاح جائز ہے۔

۴۔ کسی مرد کے نکاح میں چار عورتوں کا ہونا تمام عورتوں کے نکاح کو حرام کرتا ہے۔ مگر اگر ان چار میں سے ایک بھی مر جائے تو فوراً ہی اور ایک کو طلاق دے دی۔ تو عدت کے بعد دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ حرمت لازمہ کی چند صورتیں ہیں۔

۱۔ ماں باپ کا اس عورت سے نکاح وطی یا مس بشہوت کرنا اولاد پر ہمیشہ کے لئے عورت کو حرام

کر دے گا۔

۱۲ کسی کی بیٹی سے نکاح یا وطی کر لینا۔

۱۳ کسی کی ماں سے نکاح کر لینا اور وطی کرنا کہ ان سے حرمت دائمی یعنی عارضی لازمی ثابت ہوگی۔

۱۴ اپنے بیٹے کا کسی عورت سے نکاح یا وطی کر لینا وغیرہ۔ حرمت اصلیہ اور لازمہ کی کل تین وجہیں ہیں۔ نسب۔ مصاہرت۔ رضاعت۔ نسب کی کل چار عورتیں محرم ہیں۔ اپنے اصول اپنے فروع۔ اصول قریبہ کے فروع۔ اصول بعیدہ کے فروع قریبہ باقی تمام حلال۔ مصاہرت سے کل دو صورتیں محرم ہیں۔ بیوی کے اصول اور اس کے فروع۔ اپنی رضاعی ماں کے اصول اور فروع اسی طرح رضاعی باپ کے تمام اصول و فروع مثل نسب کے حرام ہیں۔ یعنی چار جہتوں سے حرمت آئے گی۔ مگر رضاعت میں شرط ہے کہ ڈھائی سال کی عمر میں منہ کے راستہ سے عورت کا دودھ بچہ کے پیٹ میں پہنچے خواہ عورت مردہ ہو یا زندہ اگر دودھ کا حقنہ یا لستی یا بالائی پیٹ میں گئی۔ یا پاخانہ پیشاب کے مقام یا ناک کان سے پیٹ میں گیا۔ تو اس سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ نسب کی جہت سے جو عورتیں حرام ہیں ان کو رحم اور محرم کہتے ہیں۔ یعنی ان سے رحمی رشتہ بھی حاصل ہے اور محرمیت بھی۔ اس کے علاوہ اور جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہوں۔ وہ محرم تو ہیں۔ مگر ذی رحم نہیں۔ ذی رحم محرم سے پردہ واجب نہیں اور اس کے ساتھ سفر اور خلوت جائز اور محرم غیر ذی رحم سے پردہ تو واجب نہیں۔ مگر ان سے خلوت اور ان کے ساتھ سفر جائز نہیں۔

عورتوں کی تحریم میں چند مصلحتیں ہیں۔ اولاً تو محرمات سے نکاح عقلاً بے غیرتی ہے کہ کفار بھی اس کو روا نہیں سمجھتے اور بعض جانور بھی ماں وغیرہ سے بچتے ہیں۔ دوم یہ کہ ماں مخدومہ ہے اور بہن مساوی حقوق والی۔ اگر ان سے نکاح ہو۔ تو بیوی خادمہ ہوتی ہے اور مخدومہ یا مساویہ کو خادم بنانا ناجائز ہے۔ اسی لئے شوہر سے غلاموں کی طرح خدمت لینا عورت کو جائز نہیں نیز باپ اور ماں کو نوکر رکھ کر مثل نوکروں کے کام لینا منع ہے۔ تیسرا یہ جو ایسے نکاح سے بچہ ہو۔ اس کا بھائی کہا جاوے یا بیٹا بھانجا۔ ماں اور بہن کے پیٹ ہونے کی حیثیت سے تو چاہیئے کہ اس کو بھائی یا بھانجا کہا جاوے اور نطفہ اپنا ہونے کی حیثیت سے اس کو بیٹا کہا جاوے۔ اگر منکوحہ ماں مر جائے تو اس کے مال سے شوہر کی میراث حاصل کرے۔ یا بیٹے کی اور اگر خود مر جائے۔ تو ماں بیوی ہونے کی میراث لے یا ماں ہونے کی معاذ اللہ! غرضکہ بہت سی قباحتیں لازم ہیں۔ ذی رحم اور محرم کے کچھ خصوصیات اور بھی ہیں اپنی ملکیت میں آنے پہ آزاد ہونا۔ عاجز اور فقیر کا نفقہ

اپنے پر واجب ہونا اور ایسے صغیرین غلاموں کی بیع میں تفریق منع ہونا۔ نیز ان سے ہبہ واپس نہ کر سکنا۔ دیکھو پوری بحث روح البیان تفسیر وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ میں۔

احمد یار خان غفرلہ

تقلید شخصی کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تقلید شخصی کرنا کیسا ہے۔ غیر مقلد تقلید پر چند طرح اعتراض کرتے ہیں

۱۔ اولاً تو یہ کہ اگر تقلید ضروری ہوتی تو صحابہ کرام ضرور کرتے حالانکہ کوئی کسی کا مقلد نہیں۔

۲۔ دوم قرآن حدیث کافی راہبر ہیں۔ پھر تقلید کی کیا ضرورت۔

۳۔ سوم یہ کہ قرآن نے تقلید کرنے والوں کی مذمت کی۔ بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا۔ وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ راہ مصطفٰے علیہ السلام سیدھی راہ ہے اور دیگر راہ ٹیڑھے۔ نیز کہتے ہیں ؎

دین حق را چار مذہب ساختند ✶ رخنہ در دین نبی انداختند

از گوجرہ

ان دلائل کے جوابات مع دلائل اور بہتر ہو کہ قرآن وحدیث سے ہی دیئے جاویں۔ بینوا توجروا

الجواب

اس قسم کے شبہات کے جوابات کے لئے چند امور ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔ پھر جواب آسان ہے۔ تقلید کسے کہتے ہیں۔ تقلید کتنی قسم کی ہے۔ کون سی تقلید ضروری ہے کون سی ممنوع۔ تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں؟

۱۔ تقلید کی تعریف: ہے کسی کے قول وفعل کی پیروی کرنا۔ یا کسی کے قول وفعل کو دلیل بنانا بغیر دلائل شرعیہ میں نظر کئے اور لغوی معنے ہیں گلے میں ہار ڈالنا۔ یہ بھی اطاعت پر دلالت کرتا ہے۔ شرعی تقلید مراد یہ ہے۔

التقلید اتباع الرجل غیرہ فیما سمعہ یقول او فی فعلہ علی زعم انہ محقق بلا نظر فی الدلیل۔ منقول از حاشیہ حسامی باب متابعۃ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۸۶۔ اس تعریف سے اطاعت خدا ورسول نکل گئی۔ کیونکہ ان کے کلام اور اعمال خود دلیل شرعی ہیں۔ اور تقلید میں قید

سے بے کر نظر فی الدلیل ذکر سے ۔ اسی لئے ہم حضور علیہ السلام کے اُمتی ہیں ۔ مقلد نہیں ۔ مقلد تو ائمہ مجتہدین کے ہیں

مسئلہ ۲: تقلید دو قسم کی ہے ۔ تقلید شرعی اور غیر شرعی ۔ تقلید شرعی تو امور شرعیہ میں کسی کی اتباع کرنا ہے ۔ غیر شرعی علاوہ امور شرعیہ کے دوسرے امور میں کسی کی پیروی کرنا جیسے مسائل طب میں بو علی سینا کی اتباع کریں ۔ تقلید شرعی کی بھی دو صورتیں ہیں ۔ مخالف اور غیر مخالف شریعت

۳ تقلید غیر شرعی جو مخالف شریعت نہ ہو جائز ہے جیسے کھانا کھانا اور طب میں کسی طبیب یا عام متقدمین کی پیروی کرنا اور جو مخالف شریعت ہو وہ حرام ہے قرآن کریم فرماتا ہے ۔ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ نیز فرماتا ہے ۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا نیز فرماتا ہے وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۔ اور اسی قسم کی دوسری آیات اسی تقلید کے بارے میں آئیں ۔ یہی مراد اس آیت سے ہے جو وہابیہ نے پیش کی کہ کفار مقابل انبیاء اپنے آباء و اجداد کی تقلید مقدم رکھتے تھے ۔ وہ یقیناً جرم اور کفر تھا ۔ چنانچہ پوری آیت یہ ہے ۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْــٴًـا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ نیز فرمایا گیا ۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا رہی تقلید شرعی اس کا قرآن کریم میں جگہ جگہ حکم ہے فرماتا ہے ۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۔ اتباع صحابہ ضروری ہوئی ۔ نیز فرماتا ہے ۔ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۔ یہاں اولی الامر سے مراد مجتہدین ہیں ۔ نہ فقط سلاطین کیونکہ اس کا عطف الرسول پر ہے اور معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے ۔ نبی کی اطاعت تو ہر طرح واجب ہے مگر سلطان کی اطاعت ہر طرح واجب نہیں ۔ لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق لہٰذا یہاں تقلید شرعی مراد ہے ۔ نیز دارمی باب الاقتداء بالعلماء میں ہے ۔ اخبرنا یعلی قال ثنا عبد الملك عن عطاء اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منكم قالوا اولوا العلم والفقه ۔ نیز قرآن کریم فرماتا ہے ۔ فَسْــٴَـلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ خازن میں ہے فاسئلوا المؤمنین العالمین من اهل القرآن ۔ درمنثور میں اسی آیت کے تحت ہے ۔ اخرج ابن مردویه عن انس قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الرجل یصلی ویصوم ویحج ویغزو وانه لمنافق قیل یا رسول الله بماذا دخل علیه النفاق قال لطعنه علی امامه وامامه من قال الله فی کتابه فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون جماعت مجتہدین کا ذکر کیجئے ۔ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ

يَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَهٗ مِنۡهُمۡ۔ نیز فرماتا ہے۔ وَاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ مسلم جلد اول صفحہ ۵۴۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ قلنا لمن قال للہ ولرسولہ ولکتابہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم۔ امام نووی فرماتے ہیں۔ ان من نصیحتھم قبول مارووہ وتقلیدھم فی الاحکام۔

۱۲ دلائل شرعیہ مجتہدین کے لئے چار ہیں۔ قرآن کریم۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجماع امت۔ قیاس مجتہد ان سب کا ثبوت قرآن و حدیث میں ہے۔ قرآن و حدیث و اجماع امت تو مستقل دلیل ہیں اور قیاس ان تینوں سے مستنبط اور ان کے احکام کا مظہر ہے۔ قرآنی فرقہ کا صرف قرآن کو دلیل ماننا اس آیت سے ہے کہ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ اور فَبِاَیِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَهٗ يُؤۡمِنُوۡنَ۔ مگر یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ۔ نیز فرماتا ہے۔ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ۔ نیز فرماتا ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ۔ جن سے معلوم ہوا کہ اطاعت پیغمبر بھی ضروری اور لازم ہے۔ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ میں حکم حقیقی مراد ہے جیسے کہ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ میں ملک حقیقی مراد ہے کہ دوسرے بھی مالک مجازی ہیں۔ اسی طرح فَبِاَیِّ حَدِيۡثٍ میں احادیث کفار جو مقابل قرآن ہیں مراد ہیں نہ کہ حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی طرح وہابی غیر مقلد صرف قرآن و حدیث کو دلیل شرعی مانتے ہیں۔ اجماع اور قیاس سے منکر ہیں یہ بھی باطل ہے۔ اجماع کے متعلق قرآن فرماتا ہے وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ‌ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ۝ نیز حدیث پاک میں آتا ہے۔ اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار۔ نیز حدیث میں ہے ما راٰہ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن۔ مشکوٰۃ۔ نیز خلافت صدیقی و فاروقی اجماع امت سے ثابت ہوئی اب جو ان کی خلافت کا منکر ہے کافر ہے۔ حالانکہ ان خلافتوں پر کوئی صریح آیت یا حدیث متواتر نہیں آئی۔ نیز سرکار فرماتے ہیں کہ جماعت مسلمین کو پکڑے رہو۔ بھیڑیا گلے سے علیحدہ بکری کو کھاتا ہے۔ وہابی قیاس کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ قیاس ظنی چیز ہے اور ظن کو قرآن میں گناہ کہا گیا ہے۔ کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا كَثِيۡرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ۔ نیز قرآن و حدیث میں کیا چیز نہیں جو قیاس کی ضرورت پڑی۔

بہتے بہتے مصطفےٰ کی گفتار ✻ مت مان کسی کا قول و کردار

یہ بھی باطل محض ہے۔ قیاس کا حکم قرآن میں دیا گیا۔ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام نے قیاس فرمائے ہیں۔ قرآن فرماتا ہے فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ۔ کفار کے احوال سن کر اپنے کو قیاس کرو کہ اگر ہم بھی ان کی طرح ہوئے تو ہمارے بھی یہی حال ہوں گے۔ قیاس پر بخاری میں ایک باب ہے باب من شبه اصلا معلوما باصل مبين قد بين الله حكمهما ليفهم السائل۔ اسی میں نقل کیا۔ ان امرأة جاءت الى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت ان امي نذرت ان تحج فماتت افاحج عنها قال نعم حجي عنها ارايت لو كان على امك دين اكنت قاضيه قالت نعم قال اقضوا الذي له فان الله احق بالقضاء۔ ابو داؤد جلد دوم صفحہ ۱۴۹ اور ترمذی و دارمی میں ہے کہ جب حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھیجا۔ تو پوچھا کس چیز سے فیصلہ کرو گے معاذ نے آخر میں فرمایا۔ قال اجتهد برأيي ولا آلو قال فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم على صدره وقال الحمد لله الذي وفق رسول رسوله لما يرضى به رسول الله۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیاس فرما کر اس عورت کو مہر مثل دلوایا جو بغیر مہر نکاح میں آئی تھی اور خاوند مر گیا تھا۔ دیکھو نسائی جلد دوم صفحہ ۸۹۔

۲ جس ظن کی قرآن کریم میں برائی آئی ہے۔ وہ بعض بدگمانی کرنا ہے مسلمان پر۔ اسی لئے آگے ذکر ہے۔ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا۔ نیز قرآن نے بعض ظن کو برا کہا۔ بلکہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ فرمایا۔ بے شک وہ ظن برا ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو۔

۳ قرآن و حدیث میں ہر چیز ہے۔ مگر اس سے نکالنے کے لئے قیاس کی ضرورت ہے۔ سمندر میں موتی ہے کتب طب میں طبی نسخے ہیں۔ مگر نکالنے کے لئے غوطہ خور اور طبیب کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح قیاس کی ضرورت ہی تو جیسا اوپر کہا ہے۔ کہ قرآن میں سب ہے پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ جیسے قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت ہے۔ ویسے ہی حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کی ضرورت ہے۔ قیاس مظہر ہے نہ کہ مثبت۔ اگر قیاس و اجماع معتبر نہ ہوں تو ضرورت سے الکحل کی حرمت خنزیر کی ماں کی حرمت کہاں سے ثابت ہوگی۔ ہزارہا مسائل قیاسیہ ہیں۔ جیسے کہ ریل میں نماز وغیرہ سب کا راستہ بند ہو جائے گا۔ جب یہ چاروں باتیں حل ہو گئیں تو جواب بالکل واضح ہے۔

۴ صحابہ کرام کو تقلید کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ توفیق صحبت مصطفےٰ علیہ السلام کی وجہ سے مخلوق کے امام اور متبوع اور مقتدی ہیں۔ تقلید کی ضرورت ہم جیسے ناقص علم والوں کو ہے نہ کہ مجتہدین کو۔ حدیث میں ہے۔ اصحابی كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم نیز فرمایا کہ عليكم بسنتي وسنة الخلفاء

الراشدین۔ یہ تو ایسا ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ ہم تو کسی کے اُمتی نہیں کیونکہ ہمارے نبی کسی کے اُمتی نہیں۔ تو کہا جائے گا کہ بے وقوف غیر نبی اُمتی ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام تو نبی الانبیاء ہیں۔ اسی طرح غیر مجتہد مقلد ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تو مجتہد اور امام ہیں۔

۲ قرآن و حدیث بے شک کافی ہیں۔ مگر جسے ان سے استنباط مسائل کی طاقت ہو۔ قرآن حفظ کے لئے آسان ہے نہ کہ اجتہاد کے لئے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ میں حفظ ہی مراد ہے

۳ کا جواب معلوم ہوگیا۔

۴ چوتھا سوال بیہودہ ہے۔ یہ چار راستے حضور علیہ السلام کے راستے سے علیحدہ نہیں۔ بلکہ ایک جھیل سے نکلے ہوئے چار دریا ہیں۔ ؎

چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار ؎ سلسلے دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب و خاک و باد سب کا انہی سے ہے ثبات ؎ چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

ورنہ پھر تو غیر مقلد بھی ایک پانچواں سوار علیحدہ فرقہ ہے ان کی جماعتیں ثنائی اور غزنوی سب بیدین ہو گئیں ؎

مسجد دو خشت علیحدہ ساختند ؎ فتنہ در دین نبی انداختند

لطیفہ

وہابیہ زمانہ ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ مقلد کہتے ہیں کہ چاروں مذہب حق ہیں۔ اولاً تو یہ ممکن نہیں امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک امام کے پیچھے قرأۃ مکروہ تحریمی ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک واجب یہ کیسے ممکن ہے کہ قرأۃ خلف الامام واجب بھی ہو مکروہ تحریمی بھی۔ ثانیاً یہ مان بھی لیا جائے۔ تو پھر امام کی پیروی کرنے چاہیئے یعنی کسی مسئلہ میں حنفی کی اور کسی میں شافعی مالکی وغیرہ کی۔ یہ بھی محض دھوکہ ہے۔ چاروں مذہب کے حق ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ سب مطابق واقعہ ہیں۔ یہ تو غیر ممکن ہے۔ بلکہ حق کے یہ معنی ہیں کہ کسی کی گرفت عنداللہ نہیں۔ مجتہد اگر غلطی کرے تب بھی ثواب پاتا ہے۔ ان چاروں میں سے جو کوئی مطابق واقعہ نہ ہو عنداللہ مغفور ہے۔ حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قتال واقعہ ہوا۔ اسی طرح صدیقہ الکبریٰ اور مولا علی رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جنگ ہوئی۔ کیا معاذ اللہ ان میں سے کسی کو باطل پر یا فسق پر مانا جاسکتا ہے۔ الصحابۃ کلھم عدول بلکہ دونوں فریقوں کو حق پر مانا جائے گا۔ اس معنی سے کہ کوئی بھی معذب نہیں کیونکہ خطا اجتہادی ہے اسی طرح صحابہ کرام کے اختلاف حق کے بارے میں کہا گیا بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ نیز جنگل میں قبلہ کی خبر نہ ہوئی۔ تحری کرکے چار رکعت چار سمتوں میں پڑھی۔ چاروں رکعتیں ہو گئیں۔ اگرچہ قبلہ ایک ہی طرف ہے مگر خطا اجتہادی معاف ہے۔

یہ قول کہ ایک کی تقلید کیوں کرتے ہیں۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔ اولاً یہ کہ مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۱۲۸ میں روایت ہے کہ سرکار علیہ السلام فرماتے ہیں۔ من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ۔ اس میں مراد محض دنیاوی احکام نہیں بلکہ دینی احکام بھی ہیں اور یہ مجتہدین بھی ہیں۔ کیونکہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ خود مسلم نے کتاب الامارات میں۔ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمہا فی معصیۃ منعقد کیا۔ بہرحال اس حدیث سے ثابت ہے کہ ایک امام کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ افضل واعلم کے ہوتے مفضول کی تقلید جائز نہیں حدیث میں ہے۔ من تولی امر المسلمین شیئا فاستعمل علیہم رجلا ویعلم ان منہم من ہو اولی بذالک واعلم منہ بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ فقد خان اللہ و رسولہ وجماعۃ المسلمین فتح القدیر وغیرہ مسلم جلد اول صفحہ ۵۴ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ قلنا لمن قال للہ ولرسولہ ولکتابہ ولائمۃ المسلمین وعامتہم۔ اسی جگہ نووی میں ہے۔ ان من نصیحتہم قبول ما رواہ وتقلیدہم فی الاحکام۔ بخاری میں ہے۔ اذا اسند الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ نیز ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا۔ لا تسئلونی ما دام ھذا الحبر فیکم۔ ہدایہ جلد اول صفحہ ۲۵ جس کی ہم اب تقلید کر رہے ہیں اس کو افضل سمجھ کر کر رہے ہیں تو دوسرے کا مسئلہ لیا وہ کیوں؟

تقلید کا حکم تحری کا سا ہے کہ ایک تحری کسی دلیل پر مبنی ہو۔ تو جب تک تحری یا دلیل نہ بدلے اس کو چھوڑنا جائز نہیں۔ اگر کوئی جنگل میں ہو جہاں قبلہ مشتبہ ہو اسی نیت سے نماز پڑھے کہ چار رکعتیں چار طرف پڑھے تو نماز نہ ہوگی۔ نیز ایسا شخص متبع ہوا ہے کہ جس میں اپنی آسانی دیکھتا ہے اسی کی پیروی کرتا ہے۔ نیز اس میں تلفیق لازم آتی ہے۔ جس کی تفصیل شامی میں ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

نبی کریم کے چار یار کے مراتب کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرا عقیدہ ہے کہ بعد نبی کے حضرت علی امیر المومنین کی شان سب خلقت سے زیادہ ہے اور خصوصاً اصحاب ثلاثہ سے۔ میں بارہ اماموں کو امام معصوم مانتا ہوں۔ ان تمام کی شان بھی اصحاب ثلاثہ سے زیادہ سمجھتا ہوں اور ان کی عزت کرتا ہوں۔ مگر ان کو امام حق نہیں جانتا۔ اور نہ ہی بارہ امام

معصومین کے برابر۔ کیا میں اہل سنت والجماعت ہو سکتا ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جس کا یہ عقیدہ ہو وہ مرتد کافر اور اسلام سے خارج ہے پکا تبرائی رافضی ہے اور یہ جو کہتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی شان بھی بہت زیادہ سمجھتا ہوں محض اس کا تقیہ ہے۔ جب ان اصحاب ثلاثہ کی خلافت کو حق نہیں سمجھتا تو ان کو معاذ اللہ خائن اور غاصب مانتا ہے۔ کیا خائن اور غاصب آدمی شان دار ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ کلمات صرف اہل اسلام کو پھنسانے کے لئے کہہ رہا ہے۔ حضرت صدیق و فاروق کی خلافت کو تسلیم نہ کرنے والا کافر مطلق ہے کیونکہ ان کی خلافت اجماعی قطعی ہے۔ حضرات اہل بیت عظام و تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو تسلیم کیا۔ اگر ان حضرات میں ذرہ برابر باطل کا شائبہ بھی ہوتا تو ذوالفقار حیدری اس طرح میان سے نکل آتی جس طرح کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں نکلی اور وسبطِ حسین ان کی بیعت سے علیحدہ رہتے جس طرح کہ یزید پلید کی بیعت سے۔ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تقیہ کا الزام لگانا اس ذات کریم کے ساتھ انتہا درجہ کی دشمنی کا ثبوت ہے۔ کیونکہ تقیہ مذکورہ یا تو بزدل کرے گا یا محض منافق۔ میدان کربلا میں باوجود اس قدر دشواریوں کے حضرت امام مظلوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقیہ نہ فرمانا اس عقیدہ کی جڑ کاٹتا ہے۔ نیز سوائے انبیائے کرام اور ملائکہ کے کسی کو معصوم ماننا بھی گمراہی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ اس سے ثابت ہے کہ حضرات اہل بیت معصوم نہیں، محفوظ ہیں۔ معصوم تو وہ جس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہ ہو سکے۔ اگر ان میں کوئی خطا تھی ہی نہیں تو جس کو دور کرنے کے کیا معنی؟ دور وہ چیز کی جاتی ہے جو موجود ہو اور اگر یہ آیت عصمت ثابت کرتی ہے تو ازواج مطہرات بھی معصوم ہونی چاہئیں کہ وہ اہل بیت سکونت ہیں اور اس آیت میں نیز اصحاب بدر کے بارے میں فرمایا گیا۔ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ۔ یہاں بھی پلیدی دفع کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ لہٰذا ان کو معصوم ماننا لازم آئے گا۔ غرضیکہ یہ عقیدہ بھی باطل محض ہے۔ نیز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل ماننا گمراہی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں حضرت صدیق کو اپنا جانشین یعنی امام نماز مقرر فرمایا کہ جس جگہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود ہوں۔ وہاں کسی کو امامت کا حق نہیں۔ ظاہر ہے کہ امام افضل کو بنایا جاتا ہے جس سے افضلیت صدیق بخوبی واضح ہوئی۔ واللہ ورسولہ اعلم

احمد یار خان نعیمی غفرلہ

مصیبت میں غیر اللہ کو پکارنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۹۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مخالفین کہتے ہیں کہ نا گہانی حالات میں یا مصیبت اور تکلیف کے وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو امداد کے لئے پکارنا شرک ہے اور تم لوگ اپنے پیر کو پکارتے ہو۔ لہٰذا مشرک ہو۔ آیات پیش کرتا ہے۔ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ۔ آیا یہ صحیح ہے یا غلط۔

الجواب

مصیبت و تکلیف کے وقت اولیاء کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور ان سے مدد چاہنا شرعاً جائز ہے۔ ان کی مدد درحقیقت خدائے قدوس کی ہی مدد ہے۔ کیونکہ یہ حضرات عون الٰہی کے مظہر ہیں۔ آیات مذکورہ میں مخالفین نے دھوکا دیا۔ ان آیات میں لا تدعوا بمعنی لا تعبدوا ہے۔ اسی پر مفسرین کا اتفاق ہے یعنی خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور کوئی مسلمان کسی غیر خدا کی عبادت نہیں کرتا۔ اگر کسی کو پکارنا شرک ہے تو نماز میں التحیات میں السلام علیک ایھا النبی کیوں پڑھا جاتا ہے۔ خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو نماز حاجت کے بعد اس دعا کی تعلیم فرمائی۔ یا رسول اللہ انی توجہت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی (ابن ماجہ) تمام صحابہ کرام حضور علیہ السلام کو پکارا کرتے تھے۔ نیز مولانا جامی فرماتے ہیں۔ ترحم یا رسول اللہ ترحم۔ امام البوصیری فرماتے ہیں ؎

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ سواک عند حلول الحادث العمم

خود مخالفین کے سردار مولوی قاسم صاحب نے لکھا ہے۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا ؛ نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

نیز اگر غیر خدا کو پکارنا شرک ہے تو ماں باپ بھائی اولاد نوکر چاکر زندہ مردہ سب ہی کو پکارنا شرک ہوگا کیونکہ یہ سب ہی غیر خدا ہیں۔ خدائے پاک فرماتا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ۔ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ۔ یا عیسیٰ۔ یا موسیٰ۔ وغیرہ تو خدا پر کیا حکم لگے گا۔ پھر ہر آدمی اپنے نوکر چاکر ماں باپ کو پکارتا ہی ہے۔ رہا غیر خدا سے مدد مانگنا تو خود خدا فرماتا ہے۔ اَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ فرماتا ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْکُمْ فرماتا ہے وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ فرماتا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اَسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ۔ ان تمام میں غیر خدا سے ہی مدد طلب کی گئی ہے ۔ بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے نیز فرماتا ہے۔ اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ وَلَوْ اَنَّھُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فرماتا ہے۔ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ ۔ فرماتا ہے۔ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۔ سرکار علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اللّٰہ معطی و انا قاسم ۔ حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی نے عرض کی اسئلک مرافقتک فی الجنۃ دیکھو مشکوٰۃ باب السجود نیز فرماتے ہیں۔ واوتیت مفاتیح خزائن الارض۔ غرضیکہ آیات واحادیث میں اختیارات مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ثبوت ہے مگر صاحب اختیار سے مانگنا برا نہیں لہٰذا مسلمانوں کو اس بنا پر مشرک کہنا سخت بے دینی ہے ۔ اس کے لئے فقیر کی کتاب جاء الحق کا بغور مطالعہ کرو ۔ واللہ ورسولہ اعلم ۔

احمد یار خان غفرلہٗ

مرزائی اور مسلمان جج کے فسخ کئے ہوئے نکاح کا حکم

فتویٰ نمبر ٦٠

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی عبدالرحیم کا نکاح مسماۃ رابعہ بی بی سے ہوا ۔ مسماۃ مذکورہ گیارہ سال تک اس شوہر کے نکاح میں رہی ۔ ایک لڑکی بھی اس سے پیدا ہوئی پھر کچھ ناچاقی ہو گئی اور مسماۃ کے والد مستری فضل الٰہی نے درخواست فسخ نکاح کچہری میں دے کر نکاح فسخ کرا لیا ۔ حافظ محمد عالم و عنایت شاہ صاحبان نے فتویٰ دے دیا کہ اگر حاکم جج مسلمان تھا تو نکاح اول فسخ ہو گیا ۔ وکیل نے قسم کھا کر کہا کہ جج مسلمان تھا لہٰذا بعد عدت رابعہ کا دوسرا نکاح کر دیا گیا ۔ جس نکاح کو دس ماہ ہو چکے اب بعد میں معلوم ہوا کہ جج مرزائی تھا ۔ اب وہ علماء یہ کہتے ہیں کہ چونکہ جج مسلمان نہیں تھا ۔ اس لئے نکاح اوّل فسخ نہیں ہوا تھا ۔ اور یہ نکاح ثانی درست نہیں ہوا ۔ لہٰذا گذارش ہے کہ از روئے شریعت فرمایا جاوے کہ ان نکاح کنندگان اور جھوٹی قسم کھانے والوں کا کیا حکم ہے ۔

الجواب

صورت مذکورہ میں مسماۃ رابعہ بی بی کا نکاح ثانی باطل ہے اور اس کا نکاح پہلا بدستور قائم ہے ۔ تاوقتیکہ پہلا شوہر طلاق نہ دے اس کا دوسرا نکاح درست نہیں ہو سکتا ۔ اور اس دوسرے شوہر کے پاس رابعہ کا رہنا سراسر ناجائز ہے ۔ نیز حافظ محمد عالم اور مولوی عنایت شاہ صاحبان کا یہ فتویٰ محض غلط ہے ۔ ان ہر دو صاحبان کو لازم ہے کہ بغیر علم تام فتویٰ نہ دیا کریں اس لئے کہ جج بعض خاص صورتوں میں نکاح فسخ ہو سکتا ہے اس میں قاضی اسلام کا فیصلہ ضروری ہے ۔ خصوصاً جبکہ دوسرے

مذہب شافعی وغیرہ پر عمل کیا ہو۔ وہاں تو اس کی اشد ضرورت ہے اور موجودہ زمانہ کے حکومت انگلشیہ کے جج خواہ مسلمان ہوں یا کافر مرزائی وغیرہ مرتد ہوں یا کوئی اور، قاضی اسلام نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ان کو ان اسلامی فیصلوں کا شرعاً حق حاصل ہے۔ جن میں تقلید قاضی ضروری ہے۔ ان بے ہودہ مفتیان نے یہ سمجھا ہے کہ جو بھی حاکم جج مسلمان ہو وہ قاضی ہے۔ یہ درست نہیں شریعت میں قاضی وہ کہلاتا ہے کہ جو مسلمانوں میں اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ عالمگیری کتاب آداب القاضی میں ہے۔ وفی ادب القاضی التزامه لما ندب اليه الشرع من بسط العدل ورفع الظلم وترك الميل والمحافظة على حدود الشرع والجرى على سنن السنة۔ اسی عالمگیری باب الجمعة میں ہے۔ والمصر فی ظاهر الرواية الموضع الذی فيه مفت وقاض يقيم الحدود وينفذ الاحكام۔ درمختار باب الجمعۃ میں ہے۔ انه كل موضع له امير و قاض يقدر على اقامة الحدود۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ افرد الضمير لعوده الى القاضی لان ذلك وظيفة۔ درمختار کتاب آداب القاضی میں ہے۔ ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافرا الا اذا كان يمنعه عن القضاء بالحق فيحرم ولو فقد وال لغلبة الكفار وجب على المسلمين تعيين وال وامام للجمعة۔ اس کے تحت میں ہے۔ لكن اذا ولى الكافر عليهم قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ قاضی وہ مسلمان شخص ہے جس کو حدود شرعیہ جاری کرنے اور احکام شریعت نافذ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ مقرر کرنے والا خواہ سلطان اسلامی ہو یا کافر بادشاہ یا عامۃ المسلمین۔ البتہ عامۃ المسلمین کا مقرر کیا ہوا قاضی شرعی سزائیں رجم و قطع ید وغیرہ نہیں جاری کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کو حکومت حاصل نہیں۔ صرف اقامت عیدین و جمعہ وغیرہ۔ وہ احکام جاری کر سکتا ہے۔ جن میں حکومت کی ضرورت نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ جج وغیرہ حکام خواہ مسلمان ہوں یا کفار آیا اسلامی قانون جاری کرنے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ یا انگریزی حکومت کے قوانین۔ بالکل ظاہر ہے کہ ان کا تقرر انگریزی حکومت کے قوانین جاری کرنے کے لئے ہے۔ جو بھی حاکم آئے گا ان ہی قوانین کے مطابق فیصلہ کرے گا جو تعزیرات ہند وغیرہ میں نمبروار لکھے ہیں۔ نہ وہ قوانین جو ہدایہ و شامی وغیرہ میں ہیں۔ اسی لئے ان کو تعزیرات ہند کا ازبر یاد ہونا ازبس ضروری ہے اور اس کی مشق کو لازم ہے۔ شامی و عالمگیری و ہدایہ وغیرہ سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔ اور نہ اس پر ان کی ملازمت موقوف۔ اور اگر کسی قانون اسلامی کو حکومت انگلشیہ نے منظور کر کے اپنا قانون بنا لیا ہے۔ تو اب جج صاحب اس لئے اس قانون کو جاری کریں گے کہ یہ تعزیرات ہند کا جزو بن چکا۔ نہ اس لئے کہ یہ اسلامی قانون ہے۔ ورنہ دوسرے اسلامی قوانین رجم وغیرہ کیوں نہیں جاری کرتے۔ بہرحال یہ حکام قاضی اسلام نہیں۔ اور ان کو ان قوانین کے جاری کرنے کا کوئی حق

نہیں۔ ان کا انجام دینا محض اسلام پر موقوف ہے۔ جیسے کہ فسخ نکاح وغیرہ لہٰذا یہ نکاح ثانی بالکل باطل ہے اور اس کا نکاح جس طرح جاری ہے قائم ہے۔ اسی طرح ان ہر دو مولوی صاحبان پر بھی ہے۔ واللہ اعلم

احمد یار خان نعیمی

آٹھ رکعت اور بیس رکعت تراویح کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ بخاری شریف اور مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ تراویح پڑھتے تھے چنانچہ بخاری میں ہے کہ کسی نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ۔ کیف کان صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان تو آپ نے جواب دیا۔ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ تو سوال یہ ہے کہ تراویح کتنی رکعت پڑھی جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

تراویح بیس رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلاف سنت ہے۔ بعونہٖ تعالیٰ اولاً اس کے دلائل بیان کروں گا۔ پھر مخالفین کے جوابات بیس رکعت تراویح پڑھنے کے چار دلائل ہیں۔ ایک روایات اور تین عقلی اشارات۔ اولاً عقلی دلائل مختصر عرض کروں پھر روایات بیان کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

۱۔ تراویح جمع ہے ترویحہ کی اور ترویحہ کے معنی ہیں راحت دینا تو تراویح میں چار رکعت پر جو کسی قدر بیٹھتے ہیں آرام کے لئے اس کو ترویحہ کہتے ہیں۔ اور چونکہ اس نماز میں استراحت کئی بار ہوتی ہے۔ اس لئے نماز کا نام تراویح یعنی راحتوں کا مجموعہ ہوا تو اگر تراویح فقط آٹھ رکعت ہوتیں تو ان کے درمیان صرف ایک ترویحہ ہوتا۔ اس کا نام تراویح نہ ہونا چاہئے تھا کیونکہ تراویح جمع ہے اور جمع کم سے کم تین پر بولی جاتی ہے۔ ماننا پڑے گا کہ تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ ہے۔ گویا تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی تردید کرتا ہے۔

۲۔ قرآن پاک میں جو رکوع بنے ہیں اس کا مطلب کیا ہے۔ رکوع تو جھکنے کو کہتے ہیں پھر قرآن کے مضمون کو رکوع کیوں کہا گیا۔ یہ وجہ ہے کہ عہد عثمانی میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے اتنے حصے کا نام رکوع رکھ دیا گیا۔ یعنی اس قدر پڑھ کر رکوع ہوا۔ اور آپ روزانہ بیس رکعت تراویح میں بیس رکوع پڑھتے اور ستائیسویں رمضان کو قرآن ختم کر دیتے کل رکوع ۵۴۰ ہوئے اب بھی قرآن میں رکوع ۵۴۰ ہیں۔ یعنی بعض رکعات میں چھوٹی سورتیں جو پڑھی ہیں اس سے دو رکوع فی رکعت ہو گئے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت

ہوئیں۔ تو قرآن کے رکوع ۲۱۶ ہونے چاہئیں تھے قرآن کے رکوع کی تعداد نے بتادیا کہ تراویح آٹھ رکعت نہیں۔

۳؎ مسلمان روزانہ بیس رکعت فرض و واجب ادا کرتا ہے یعنی ۱۷ فرض اور تین وتر واجب اور رمضان میں رب تعالیٰ نے ان بیس رکعت کی تکمیل کے لئے اور بیس رکعت تراویح مقرر فرمادیں آٹھ رکعات بیس رکعات کی تکمیل کیونکر کرسکتی ہیں۔ ہر رکعت کی ایک رکعت تراویح تکمیل کرے گی۔ یہ تین دلائل عقلی ہیں۔ دلیل نقلی ملاحظہ ہو۔

۱؎ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیس رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اور صحابہ کرام کا اسی بیس رکعت پر اجماع رہا۔ موطا امام مالک میں ہے۔ عن السائب ابن یزید انہ قال کنا نقوم فی عہد عمر بعشرین رکعۃ والوتر رواہ البیہقی فی المعرفۃ باسناد صحیح۔ ابن منیع میں ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ فصلی بہم عشرین رکعۃ۔ بیہقی میں ہے۔ عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب امر رجلا یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔ ابن ابی شیبہ نے اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے اور عبد بن حمید نے اور بغوی نے روایت فرمایا۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر بیہقی نے روایت فرمایا۔ وعن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی انہ کان یؤمہم فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعات۔ اسی بیہقی نے روایت فرمایا۔ وعن ابی عبد الرحمٰن السلمی ان علیؓ دعا القراء فی رمضان فامر رجلا یصلی الناس عشرین رکعۃ وکان علی یوتر بہم۔ اسی بیہقی کا اسناد صحیح نقل فرمایا۔ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ۔ ماخوذ از صحیح البخاری باب کم یقرء فی التراویح۔ یہ تو صحابہ کرام کی روایات تھیں اب علمائے امت کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

ترمذی شریف مطبع مجتبائی صفحہ ۹۹ ابواب الصوم باب ما جآء فی قیام شہر رمضان میں ہے۔ واکثر اہل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرہما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ وھو قول سفیان الثوری وابن مبارک والشافعی وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ فتح الملہم شرح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۱ میں ہے۔ روی محمد بن نصر من طریق عطاء قال ادرکتہم یصلون عشرین رکعۃ وثلث رکعات الوتر وفی الباب آثار کثیرۃ اخرجہا ابن ابی شیبۃ وقال ابن قدامۃ وھذا کالاجماع۔ عمدۃ القاری شرح بخاری۔

جلد پنجم صفحہ ۳۵۵ میں ہے۔ وروی الحارث ابن عبد الرحمٰن بن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کان القیام علی عھد ابن عمر بثلث وعشرین رکعۃ قال ابن عبد اللہ ھذا محمول علی ان الثلث للوتر۔ اسی عمدۃ القاری میں اسی جگہ ہے۔ کان عبد اللہ بن مسعود یصلی لنا فی شھر رمضان فینصرف وعلیہ لیل وقال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ۔ اسی عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۵ میں ہے۔ قال ابن عبد البر وھو قول جمھور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقھاء وھو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ۔ ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں فرمایا فصار اجماعا لما روی البیھقی باسناد صحیح انھم کانوا یقومون علی عھد عمر بعشرین رکعۃ وعلی عھد عثمان وعلی۔ مولوی عبد الحی صاحب نے اپنے فتاویٰ جلد اول صفحہ ۳۵۳ میں علامہ ابن حجر مکی ہیتمی کا قول نقل فرمایا۔ اجمع الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ۔ عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۵ میں ہے۔ واما القائلون بہ من التابعین فشتیر بن شکل وابن ابی ملیکۃ والحارث الھمدانی وعطاء ابن ابی رباح وابو البختری وسعید ابن ابی الحسن البصری اخو الحسن وعبد الرحمٰن ابن ابی بکر وعمران العبدی۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تابعین تبع تابعین وفقہاء و محدثین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے۔ ان میں سے کسی نے آٹھ تراویح پڑھی نہ اس کا حکم دیا۔

دوسرا باب

مخالفین کے پاس حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

۱ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان اور مؤطا امام مالک اور قیام اللیل مصنفہ امام مروزی سے ثابت ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ جس سے ثابت ہے کہ آٹھ رکعت تراویح ہے اور باقی وتر۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں۔ اول تو یہ کہ حدیث مضطرب ہے اس لئے کہ اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں مؤطا میں ان سے گیارہ کی روایت ہے۔ محمد ابن مروزی نے انہی محمد بن یوسف سے بطریق محمد اسحاق تیرہ رکعت کی روایت کی۔ اور محدث عبد الرزاق نے انہی محمد بن یوسف سے دوسری اسناد سے اکیس رکعات نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر۔ ایک ہی راوی کے

روایات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے اس کو اضطراب کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ تمام روایات ناقابل قبول ہیں۔ اس سے استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تراویح آٹھ رکعت ہوں اور وتر تین رکعت کیجئے۔ آپ وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں۔ آپ کے قول پر تو وہ رکعتیں ہونی چاہئیں کیا ایک ہی حدیث کا آدھا حصہ مقبول اور نصف غیر مقبول۔ تیسرے یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اولاً آٹھ رکعت پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ پھر بارہ کا۔ پھر آخر میں بیس پر قرار ہوا۔ اس لئے کہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں اسی سائل کی پیش کردہ حدیث کے بعد ہے۔ وکان القاری یقرء سورۃ البقرۃ فی ثمان رکعات واذا قام بہا فی اثنتی عشرۃ رأی الناس انہ قد خفف۔ اسی حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے۔ نعم ثبت العشرون فی زمن عمر وفی الموطا روایۃ باحدی عشرۃ رکعۃ وجمع بینہما بانہ وقع اولا ثم استقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث۔ چوتھے یہ کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور تین چیزیں سنت فاروقی ہیں۔ ہمیشہ پڑھنا باقاعدہ جماعت سے پڑھنا بیس رکعت پڑھنا۔ اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے نہ تو بیس رکعت پڑھیں اور نہ ہمیشہ پڑھیں اور نہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت سے کا حکم دیا۔ تو اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو غالباً عمل ہو گیا مگر سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا۔ اور اگر بیس رکعت پڑھی جائیں تو دونوں سنتوں پر عمل ہو گیا کیونکہ بیس میں آٹھ آ جاتی ہیں۔ آٹھ میں بیس نہیں آتیں۔ اور حدیث میں ہے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔ یہاں واؤ جمع کے لئے ہے تو جس طرح تم تراویح ہمیشہ پڑھتے ہو اور باقاعدہ جماعت سے پڑھتے ہو۔ حالانکہ یہ دونوں امور حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں بلکہ سنت فاروقی ہیں۔ اسی طرح بیس رکعت پڑھو جو کہ سنت فاروقی ہیں۔

(۲) بخاری میں ہے کہ ابو سلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے۔ تو آپ نے جواب دیا۔ ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام نے تراویح آٹھ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ لہٰذا بیس رکعات پڑھنا آٹھ کی سنت کو مٹانے والی اور بدعت سیئہ ہے۔

جواب: اس روایت میں تراویح کا ذکر نہیں بلکہ اس میں تہجد کا ذکر ہے اور اس جگہ تہجد ہی کی نماز مراد ہے۔ اس کے چند دلائل ہیں۔ اولاً یہ کہ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ رمضان اور غیر رمضان میں کبھی بھی آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح کیونکہ تراویح صرف رمضان میں ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ترمذی نے اس حدیث کے لئے باب باندھا ہے۔ باب ماجاء فی وصف صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل۔ معلوم ہوا کہ یہ صلوٰۃ اللیل ہے نہ کہ صلوٰۃ رمضان۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ

ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ فقلت یا رسول اللہ تنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی جس سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام رکعات سو کر اٹھ کر ادا فرماتے تھے اور وتر بھی اس کے ساتھ پڑھتے تب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہوا کہ حضور نے ہم لوگوں کو تو حکم دیا ہے کہ وتر پڑھ کر سویا کرو اور خود سو کر وتر مع تہجد ادا فرماتے ہیں۔ تو جواب ملا کہ چونکہ ہم کو بیدار ہو جانے پر پورا اعتماد ہے اس لئے یہ عمل ہے اور جس کو بیدار ہونے پر اعتماد نہ ہو وہ وتر پڑھ کر سوئے اور ظاہر ہے کہ تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور تہجد سو کر اٹھ کر پڑھتے ہیں۔ چنانچہ مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۳۰۰ میں حضرت شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ "تحقیق آنست کہ صلوٰۃ آنحضرت در رمضان ہماں نماز معتاد او بود یازدہ رکعت کہ دائم در تہجد گذارد چنانچہ معلوم می گردد"۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آٹھ رکعت پڑھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھی اور بیس پڑھنا بدعت سیئہ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعات کیوں اختیار فرمائیں اور ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و دیگر صحابہ نے ان کی مخالفت کیوں نہ کی۔ معاذ اللہ ان تمام صحابہ کرام پر تم کیا فتویٰ لگاؤ گے؟ نیز آج تمام حاضرین پورے ماہ رمضان تراویح باجماعت پڑھتے ہیں۔ بتاؤ ان کا یہ فعل بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟ کیونکہ حضور علیہ السلام نے آٹھ رکعت پڑھی ہیں۔ تو صرف تین روز پڑھی ہیں۔ اب تین دن زیادتی کر کے تمام ماہ جماعت سے پڑھنا اس سنت کا ترک ہے اور بدعت سیئہ ہے۔ نیز ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہے کہ اہل مدینہ کا عمل اکتالیس تراویح پر ہے اور اہل مکہ کا بیس پر اور بڑے بڑے آئمہ دین کا لیس یا بیس پر عامل رہے تو بتاؤ کہ یہ لوگ بدعتی ہوئے یا نہیں؟ اور ان سے حدیث لینا کیسا ہے؟ کیونکہ بدعتی فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی روایت غیر معتبر ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اہل مکہ و مدینہ میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت پر عامل نہیں۔ کوئی بیس پر ہے کوئی اکتالیس پر۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے اگر آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوئیں۔ تو تین رکعت وتر ثابت ہوئے تب ہی تو گیارہ بنیں گے۔ پھر وتر تین کیوں نہیں پڑھتے؟ کیا بعض حدیث پر ایمان ہے بعض پر نہیں۔ حق یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی تصریح کسی حدیث سے نہیں ملتی کیونکہ جہاں قیام رمضان کا ذکر ہے وہاں تعداد رکعات سے سکوت ہے اور جن احادیث میں گیارہ رکعات ہیں۔ وہاں مراد تہجد ہے۔ ایسی صاف حدیث پیش کرو جس میں آٹھ تراویح کی تصریح ہو ایسی حدیث نہ ملی ہے نہ ملے گی۔ اور بیس رکعات کی تصریح متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

کسی امتی کو رشک انبیاء کہنے کا حکم
فتویٰ نمبر ۶۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس شعر کے بارے میں ۔

نائبِ مصطفےٰ در ہر کشور ÷ رشکِ پیغمبراں معین الدین

کیا کسی اُمتی پر رشکِ پیغمبراں کا اطلاق درست ہے؟ ایک صاحب نے نعت خواں کو اس شعر پڑھنے سے روک دیا۔ ان کا یہ فعل کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مذکورہ بالا شعر بالکل درست ہے اس سے روکنا جہالت ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ اس آیت میں اولیاء اللہ سے اجیاء اللہ ہیں جس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں انبیائے کرام کو بھی خوف ہوگا۔ مگر اولیاء اللہ بے خوف۔ ان فرق یہ ہے کہ گنہگار اولیاء کو اپنی جان کا خوف ہوگا۔ اور انبیائے کرام کو جہاں کا۔ کہ ہمارے گنہگار امتی کہیں جہنم میں نہ پہنچ جائیں۔ رہے حضرات اولیاء انہیں نہ اپنا کھٹکا نہ دوسروں کا خوف۔ کیونکہ یہ اپنے متوسلین کو بارگاہِ نبوت تک پہنچا کر بے خوف و مطمئن ہو چکے۔ ان کے اس چین و آرام کو دیکھ کر حضرات انبیائے کرام ان پر غبطہ فرمائیں گے۔ جیسے کہ فقیر بے نوائی آزادانہ زندگی پر بادشاہ غبطہ کرے۔ اس غبطہ سے فقیر بادشاہ سے بڑھ نہیں گیا۔ فقیر تو فقیر ہی ہے۔ اور بادشاہ بادشاہ۔ مگر غبطہ درست ہو گیا اسی طرح اولیاء اللہ معاذ اللہ نہ تو نبی کے برابر ہو گئے نہ بڑھ گئے۔ مگر غبطہ درست ہو گیا اور غبطہ ہی کا نام ہے رشک

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابوداؤد اور بیہقی شعب الایمان اور شرح سنہ میں ہے۔ ان من عباد اللہ لاناسا ما ھم بانبیاء ولا شھداء یغبطھم الانبیاء والشھداء۔ پھر حضور علیہ السلام نے ہی وجہ ارشاد فرمائی لا یخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن الناس وقرء ھذہ الآیۃ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ مشکوٰۃ کتاب الادب باب الحب فی اللہ (ترمذی شریف ابواب الزھد باب الحب فی اللہ۔ میں حدیث قدسی نقل فرمائی قال اللہ عزوجل اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِيْ جَلَالِيْ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ غرضیکہ یہ شعر نہایت صحیح ہے۔ اس کا مضمون قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس کی زیادہ تفصیل ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔ واللہ اعلم

احمد یار خان غفرلہ

حاملہ گائے کی قربانی کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے حاملہ کی قربانی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قریب ولادت جانور کا ذبح کرنا مکروہ ہے خواہ قربانی میں ذبح کرے یا کسی اور مقصد پر۔ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک ماں کا ذبح اس کے بچہ کا ذبح نہیں۔ لہٰذا اس صورت میں گویا بچہ کو ضائع کرنا ہے مگر صاحبین کے نزدیک چونکہ ماں کا ذبح بچہ کا ذبح ہے اس صورت میں بچہ کی بربادی نہیں لہٰذا بلا کراہت جائز ہے۔ غرضیکہ بچہ میں جان پڑ جانے سے پہلے تو حاملہ جانور کا ذبح سب کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے مگر جان پڑ جانے کے بعد امام صاحب کے نزدیک بکراہت جائز ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک بلا کراہت جائز۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس کراہت سے کراہت تنزیہی مراد ہے جیسے کہ دلیل سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا قربانی ہو جائے گی۔ یہ بھی خیال رہے کہ امام صاحب کے نزدیک قریب ولادت جانور کا ذبح کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ گوشت بلا کراہت جائز ہے۔ عالمگیری باب الذبائح میں ہے۔ شاۃ او بقرۃ اشرفت علی الولادۃ قالوا یکرہ ذبحہا لان فیہ تضییع الولد وھذا قول ابی حنیفۃ لان عندہ جنین لا یتذکی بذکوۃ الام کذا فی فتاوی قاضی خان۔ خیال رہے کہ یہ مسئلہ عالمگیری نے فتاوی قاضی خاں سے لیا اور قاضی خاں قول ضعیف میں قالوا فرماتے ہیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

احمد یار خان غفرلہ

تحریری طلاق کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کو یہ تحریر لکھ کر بھیجی کہ میں نے فاطمہ بی بی کو طلاق دے دی۔ نیچے اپنے دستخط کر دیئے۔ طلاق ہو گئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ (از گجرات)

الجواب

اگر شوہر نے بہ نیت طلاق یہ عبارت لکھی ہے تو طلاق رجعی واقع ہو گئی۔ ورنہ نہیں کیونکہ جو طلاق بغیر القاب آداب ویسے ہی لکھ دی جاوے وہ نیت پر موقوف ہے عالمگیری باب کتابۃ الطلاق میں ہے۔ وان کانت مستبینۃ لکن غیر مرسومۃ ان نوی الطلاق یقع والا فلا اور مرسومہ کی شرح عالمگیری میں اسی جگہ یوں فرمائی۔ و نعنی بالمرسومۃ ان یکون مصدرا و معنونا مثل ما یکتب الی الغائب۔ اس لیے اگر باقاعدہ القاب و آداب کے ساتھ طلاق لکھی جائے وہ بہرحال ہو جائے گی نیت ہو یا نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

احمد یار خان غفرلہ

والدہ کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ماں نے نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا۔ لڑکی نے بالغ ہوتے ہی نکاح فسخ کر دیا جس پر دو گواہ بھی بنائے نکاح فسخ ہوا یا نہیں۔ اب یہ لڑکی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں نکاح ٹوٹ گیا کیونکہ باپ دادا کے سوا جو بھی نابالغ کا نکاح کرا دے۔ وہ نکاح بوقت بلوغ فسخ ہو سکتا ہے۔ عالمگیری باب الولی میں ہے۔ فان زوّجھما الاب والجد فلا خیار لھما بعد بلوغھما وان زوجھما غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ۔ مگر حکومت کا فیصلہ ضروری ہے۔ اسی عالمگیری میں اسی جگہ ہے۔ ویشترط فیہ القضاء بخلاف خیار العتق۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنے کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۶

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ حق تعالیٰ کو اللہ میاں کہہ سکتے ہیں۔ یا نہیں؟ ایک آدمی کہتا ہے کہ خدا کو میاں کہنے میں کچھ حرج نہیں۔ ہر طرح جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

از بنگلور

الجواب

اردو زبان میں اللہ تعالیٰ کو میاں نہیں کہنا چاہیے کیونکہ اردو میں میاں مالک کو بھی کہتے ہیں اور شوہر کو بھی۔ شوہر کے معنی حق تعالیٰ کی شان کے خلاف ہیں۔ وہ نہ میاں ہے نہ بیوی۔ جس لفظ میں اچھے برے دونوں طرح کے معانی ہوں۔ اس کا استعمال حق تعالیٰ کے لئے نہیں کرنا چاہیے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى جس سے معلوم ہوا کہ خدائے پاک کے اسماء اچھے ہونے چاہئیں۔ قبیح معنی والے نام اس کے لئے استعمال نہیں ہو سکتے۔ رب کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لفظ راعنا بولنے سے روکا گیا تھا کیونکہ اس کے دو معنی ہیں ایک اچھے دوسرے برے فرمایا۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا۔ جب بارگاہ نبوی میں ایسے

مشترک لفظ کا استعمال جائز نہیں جس میں توہین معنی کا بھی احتمال ہو۔ تو بارگاہ الٰہی کیسی ارفع و اعلیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

مسجد کے صحن میں غسل خانہ بنانے کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کا صحن جس میں ہمیشہ نماز ہوتی رہتی ہے۔ با جماعت بھی اور بلا جماعت بھی۔ اس صحن میں غسل خانہ اور وضو کی جگہ بنا دیا جانا جائز ہے یا ناجائز؟ بحوالہ کتاب بیان فرمایا جاوے۔ غلام رسول گجرات

الجواب

جو جگہ داخل مسجد ہو چکی اب وہ خارج مسجد نہیں ہو سکتی۔ نہ وہاں غسل خانہ بنے نہ وضو خانہ نہ مسجد کی دکان۔ نہ امام یا متولی کا حجرہ۔ مسجدیت مکمل ہونے کے بعد یہ کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس جگہ کا احترام فرض ہو چکا کہ نہ یہاں جنبی شخص آ سکے۔ نہ حیض و نفاس والی عورت۔ مگر جب یہاں غسل وغیرہ بن جاوے گا۔ تو یہ احترام ناممکن ہوگا۔ مسجد کی حرمت قیامت تک باقی ہے۔ عالمگیری کتاب الوقف میں ہے۔ قیم المسجد لا یجوز ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائہ لان المسجد اذا جعل حانوتا او مسکنا تسقط حرمتہ وھذا لا یجوز۔ درمختار باب الوقف میں ہے۔ لو بنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اس صحن مسجد میں خود واقف بھی غسل خانہ وغیرہ نہیں بنا سکتا چہ جائیکہ دوسرے لوگ۔ اور اگر غسل خانہ وغیرہ بن بھی گیا ہو۔ تو اس کا گرا دینا واجب ہے۔ اسی جگہ ردالمحتار میں ہے وبھذا علم ایضا حرمۃ احداث الخلوات فی المساجد کالتی فی رواق المسجد الاموی۔ ولاسیما ما یترتب علی ذالک من تقذیر المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوہ۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

خاتم النبیین کے معنی اور تفسیر

فتویٰ نمبر ۶۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان حسب ذیل مسائل کے بارے میں۔

(۱) خاتم النبیین کے معنی اور تفسیر۔ ختم اللہ کے معنی اور تفسیر۔
(۲) کیا الہام سچ ہے۔ اور کس شخص کا الہام مانا جاتا ہے؟
(۳) کیا مرزا صاحب نے کسی دوسرے استاد سے تعلیم حاصل کی یا اللہ کی رحمت سے تعلیم یافتہ ہی پیدا ہوئے ہیں؟
(۴) کیا کوئی نبی بعد نبوت یا قبل از نبوت کسی غیر مسلم بادشاہ کی حکومت میں رہا ہے یا رہ سکتا ہے؟
(۵) انبیائے کرام کو معجزے کس قسم کے دیئے گئے۔ اور مرزا صاحب کو کون سا زمانہ کیسے معجزے ملنا چاہئے تھے؟
(۶) کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا گئے۔ اگر زندہ ہیں تو کہاں رہتے ہیں۔ اگر وفات پا گئے ہیں تو مزار کہاں ہے۔ اگر آسمان پر گئے ہیں تو کیسے گئے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

۱۔ خاتم ختم سے بنا ہے۔ ختم کے لغوی معنی مہر لگانا ہے۔ اسی لئے مہر کو خاتم کہا جاتا ہے چونکہ مہر بھی مضمون کے آخر میں لگتی ہے جس کے بعد کوئی مضمون نہیں لکھا جاتا۔ اور پارسل وغیرہ پر بند کرنے کے بعد مہر لگائی جاتی ہے۔ تاکہ اب نہ اس میں سے کچھ نکل سکے نہ داخل ہو سکے۔ اسی لئے عرف میں ختم تمام ہونے کو کہتے ہیں۔ خاتم النبیین میں یہی عرفی معنی مراد ہیں۔ جیسے صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کرنا ہے۔ صَلُّوْا عَلَیْهِ مگر اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ میں صلوٰۃ سے عرفی معنی یعنی نماز مراد لئے گئے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین کی یہی تفسیر قرآنی کر ارشاد فرمایا۔ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں)۔ جیسے لا الٰہ   میں ہر قسم کے جھوٹے ظلی خدا کی نفی ہو گئی۔ ایسے ہی لا نبی میں اصلی ظلی بروزی مراقی مذاقی نبی کی نفی ہے کہ میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں بن سکتا۔ ختم اللہ میں ختم لغوی معنی میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی کہ اب ان میں ہدایت داخل نہیں ہو سکتی۔

۲۔ حضور علیہ السلام کی امت کے اولیاء کے لئے الہام برحق ہے بے شک اللہ کے پیارے بندوں کو الہام ربانی ہوتے ہیں۔ مگر الہام جب ہی قبول ہوگا۔ جبکہ شریعت کے خلاف نہ ہو۔ اگر خلاف شریعت ہے تو وہ وسوسہ شیطانی ہے نہ کہ الہام ربانی۔ یہ تو الہام کی کسوٹی ہے۔ کیونکہ شریعت کا برحق ہونا یقینی ہے۔ اور ہمارے خیالات کی حقانیت یقینی نہیں۔ نیز الہام یا خواب متقی پرہیزگار مسلمان کا زیادہ معتبر ہے۔ جتنا تقویٰ کامل ہوگا۔ اتنا ہی اس کا دل شیطانی اثر سے زیادہ محفوظ رہیگا۔

۳۔ مرزا صاحب آنجہانی سنا گیا ہے کہ مڈل پاس اور انٹرنس فیل تھے۔ وہ اوّلاً کچہری میں کلرک رہے۔ گذر اوقات مشکل تھی۔ دنیاوی ضروریات نے انہیں دعوائے نبوت پر مجبور کیا۔ عربی میں کس کے شاگرد تھے۔ مجھے پورا پتہ نہیں۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ وہ علوم عربیہ میں نہایت نااہل تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مایہ ناز کتاب لکھی خطبہ الہامیہ۔ اور اس کے متعلق دعویٰ کیا کہ یہ رسالہ عبارت سے بھرپور ہے اور اس میں نہ کوئی غلطی ہے اور نہ اس کے مثل کوئی کلام ہو سکتا ہے۔ مگر قبلہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں تقریباً دو سو آٹھ غلطیاں نکالیں۔ اور ثابت فرمایا کہ مرزا جی نے عربی

ادب کی کتابوں سے عبارتیں چرائی ہیں۔ جو عبارتیں سبعہ معلقہ وغیرہ کی ہیں۔ وہ تو صحیح ہیں۔ باقی سب غلط ہیں۔ اس کے لئے کتاب سیف چشتیائی مصنفہ پیر مہر علی شاہ صاحب دیکھو۔

۴ ہر نبی و پیغمبر کسی کافر بادشاہ کی رعایا اور غلام بن کر نہ رہا یا تو نبی ایسی قوم میں آئے جس میں باقاعدہ سلطنت تھی ہی نہیں جیسے لوط علیہ السلام اور کسی کافر بادشاہ کے ملک میں پیدا ہوئے تو اولاً انہوں نے وہاں سے ہجرت کی اور پھر بادشاہ کا مقابلہ فرما کر اس کی سلطنت کو پاش پاش کر دیا۔ جیسے ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام۔ غرضیکہ کافر بادشاہ سے مقابلہ فرمایا ہے۔ ماتحتی کسی نے نہیں کی۔ سوائے ہمارے مرزا جی کے۔ ان کے الہام حکام وقت کی رضا کے ماتحت ہوتے رہے۔

۵ ہر پیغمبر کو خصوصیت سے ایسے معجزے ضرور ملے جس کا ان کے زمانہ میں زور تھا۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا عروج تھا۔ جالینوس موجود تھا۔ تو آپ کو مردہ زندہ کرنے اور کوڑھیوں کو اچھا کرنے کا معجزہ خصوصیت سے ملا اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا۔ تو آپ کو عصا دیا گیا۔ ہمارے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں لوگوں کو کلام پر ناز تھا اور فصاحت اور بلاغت پر گھمنڈ تھا تو حضور کو قرآن کا معجزہ ملا۔ لہٰذا مرزا جی کے زمانہ میں چونکہ ایجادات اور سائنس کا زور تھا۔ ضروری تھا کہ انہیں اسی قسم کا ایسا معجزہ ملتا جو تمام ایجادات پر غالب رہتا۔

۶ عیسیٰ علیہ السلام اسی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ تشریف لے گئے۔ جس کا ثبوت قرآنی آیات اور صدہا احادیث صحیحہ سے ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے قرب خاص کی طرف اٹھایا۔ جب رفع کا مفعول جسم ہوتا ہے۔ تو اس میں مکانی اٹھانا مراد ہوتا ہے۔ جیسے وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ یا جیسے یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وغیرہ۔

۷ عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر فرشتوں کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور فرشتوں کی طرح ذکر الٰہی ان کی غذا ہے اب وہ ظاہری غذا سے بے نیاز ہیں۔ کما فی الاحادیث۔

۸ اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ جو بھی صاحب شاکر متقی پرہیزگار ہو جائے وہ نبی ہی ہو جائے گا۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ قیامت میں نبیوں صدیقوں شہیدوں کے ساتھ اٹھے گا۔ ساتھ ہونا اور چیز ہے اور نبی بن جانا دوسری چیز۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ o رب تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ اس سے نہ تو اللہ صابر ہو جاتا ہے اور نہ صابر خدا بن جاوے۔ بلکہ رحمت الٰہی صابروں کے شامل حال ہوتی ہے۔

آپ فتنہ مرزائیت سے بچنے کے لئے کتاب پاکٹ بک محمدیہ کا مطالعہ کیا کریں۔ جو پاکٹ بک احمدیہ کے جواب میں لکھی گئی نیز سیف چشتیائی اور شمس الہدایت کا مطالعہ کیا کریں۔ یہ کتب گولڑہ شریف سے ملیں گی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے لئے ہماری تفسیر نعیمی تیسرے پارے کا مطالعہ کریں۔ اور مرزائیوں کی صحبت سے بچیں۔

تا توانی دور شو از یار بد ٭ یار بد بدتر بود از مار بد

مار بد تنہا ہمی بر جان زند ٭ یار بد بر دین و بر ایمان زند

نکتہ: مرزا صاحب کے صدہا الہام و پیشگوئیاں غلط ثابت ہوئیں۔ انہوں نے بڑے زور و شور سے دعویٰ کیا تھا کہ محمدی بیگم سے میرا نکاح ہوگا۔ مگر کوشش کرتے کرتے تھک گئے اور محمدی بیگم نکاح میں نہ آئی۔ اعلان کیا تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اگر جھوٹے ہوں تو میری موجودگی میں وہ مر جائیں گے۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو ان کی موجودگی میں میں مروں گا۔ مرزا جی نے اعلان کیا تھا کہ سخت زلزلہ عنقریب آوے گا۔ اپنی امت کو شہر سے نکال کر جنگل میں ڈالا۔ ایک ماہ وہاں قیام کیا۔ مگر زلزلہ وغیرہ کچھ نہ آیا۔ اور پھر چپکے سے گھر آ بیٹھے۔ ایسے صدہا واقعات آپ کو پاکٹ بک محمدیہ میں ملیں گے۔

احمد یار خاں عفی عنہ

بیوہ کے عدت میں زنا سے حاملہ ہونے کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بیوہ عدت وفات میں زنا سے حاملہ ہو گئی جس کی وہ خود اقراری ہے تو اس کی عدت کیا ہوگی۔ وضع حمل یا کچھ اور۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں اس کی عدت وہ چار ماہ دس دن ہے۔ جیسے وہ گذار رہی ہے۔ اس حمل کی وضع کا اعتبار نہیں۔ وہ عدت طلاق کے لئے ہے۔ جو عورت عدت طلاق میں حاملہ ہو جاوے اس کی عدت وضع حمل ہے عالمگیری کتاب العدۃ میں مطلقہ کے بارے میں ہے۔ وعدۃ الحامل ان تضع حملها کذا فی الکافی سواء کانت حاملا وقت وجوب العدۃ او حبلت بعد وجوب العدۃ کذا فی فتاوی قاضی خان۔ مگر عدت وفات میں بعد وجوب عدت جو حمل قائم ہو۔ اس کا اعتبار نہیں۔ یہی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے اسی عالمگیری میں اسی جگہ ہے۔ ولو حدث الحمل فی العدۃ بعد الموت ذکر الکرخی انه یتعلق بانقضاء العدۃ والصحیح انه لا یتعلق: اما اذا حدث بعد موته فلا یتعلق بلا خلاف کذا فی العتابیۃ، شامی باب العدۃ میں ہے۔ واعلم ان المعتدۃ لو حملت فی عدتها ذکر الکرخی ان عدتها وضع الحمل ولم یفصل والذی ذکره محمد ان هذا فی عدۃ الطلاق اما فی عدۃ الوفات فلا تتغیر بالحمل وهو الصحیح کذا فی

البدائع خلاصہ یہ ہے کہ اس عورت کی عدت وہی چار ماہ دس دن ہے جیسے گزار کر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے مگر دوسرے شوہر پر لازم ہے کہ وضع حمل سے پہلے اس سے صحبت نہ کرے۔ جو حاملہ بالزنا کا ہی حکم ہے کہ اس سے نکاح درست ہے مگر صحبت منع۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

ابلیس کی بیوی اور اولاد کا بیان

فتویٰ نمبر ۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیطان کی اولاد ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی بیوی کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیطان کی اولاد نہیں۔ یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ از یو۔پی

الجواب

اس کے متعلق مجھے تین قول ملے۔ ایک یہ ہے کہ شیطان لا اولاد ہے۔ اس کے کوئی اولاد نہیں کیونکہ وہ فرشتوں کی قسم سے ہے اور فرشتے اولاد سے پاک ہیں۔ نیز اولاد بقائے نسل کے لئے ہوتی ہے اور جو خود ہی قیامت تک زندہ رہے اسے نسل کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھو چاند، تارے، سورج وغیرہ کے نسل نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ شیطان کے نسل ہے اور وہ صاحب اولاد ہے کیونکہ وہ جن کی قسم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهٖ۔ اور جن و انس کے نسل ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کے نسل ہے بلکہ شیطان جنات کا باپ ہے جیسے آدم علیہ السلام انسان کے ــــــ کان ابا الجن۔ نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ أَفَتَتَّخِذُونَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي (سورہ کہف) اس آیت میں شیطان کے لئے ذریت ثابت کی گئی ہے۔ اور ذریت اولاد ہی تو ہوتی ہے۔ بلا وجہ حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنے لینا درست نہیں۔ اسی آیت کے ماتحت تفسیر جلالین میں ہے۔ وابليس هو ابو الجن فله ذرية ذكرت معه والملائكة و ذرية لهم۔ چونکہ نوع جنات کے لئے موت ہے۔ لہٰذا اس کی نسل بھی ضروری ہے۔ ابلیس کو شخصی طور پر دراز عمر دی گئی اس کا لحاظ نہیں۔ انسان میں بھی خضر و ادریس علیہما السلام تاقیامت زندہ رہیں گے مگر ان کے اولاد ہوئی۔ غرضیکہ شیطان کے نسل اور اولاد ہے۔ پھر ان میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ابلیس کی بیوی ہے اسی سے اولاد ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ نہیں۔ بلکہ اس کے ران میں ذکر کا عضو ہے اور دوسرے میں مادہ کا فرج وہ اپنے سے صحبت کرتا ہے اور خود ہی حاملہ ہو کر انڈے دیتا ہے جس سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ شرح قصیدہ بردہ خرپوتی میں اس شعر۔

وخالف النفس والشيطان واعصهما   وان هما محضاك النصح فاتهم

کی شرح میں فرماتے ہیں۔ فان قیل ھل للشیطٰن نسل قال ابو العمیش الثنیی فی بحر العلوم قیل ان الشیطٰن
یبیض ویخرج منھا الولد وفی الخبر ان فی احد فخذیہ فرجا وفی الاخر ذکرا فیجامع
نفسہ فیخرج منہ الولد وھذہ روایۃ شاذۃ وقیل یدخل ذنبہ فی دبرہ فیخرج
منہ الولد وھذا غیر صحیح فالصحیح ھو الاول۔ ثابت ہوا کہ شیطان کے اولاد ہے۔
تفسیر صاوی حاشیہ جلالین میں زیر آیت اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗ سورہ کہف کی تفسیر میں ہے کہ امام مجاہد فرماتے
ہیں کہ ابلیس کے چند قسم کی اولاد ہے۔ ایک قسم کا نام لاقیس اور ولہان ہے۔ ان کا کام وضو اور نماز میں وسوسہ ڈالنا ہے
ایک قسم کا نام زلنبور ہے۔ یہ بازاروں میں پھرتی رہتی ہے اور لوگوں سے جھوٹی خرید و فروخت کراتی ہے۔ ایک کا نام
تبر ہے۔ یہ لوگوں کو مصیبت پر نوحہ کراتی ہے۔ بال نچواتی ہے اور منہ پر تھپڑ لگواتی ہے۔ ایک کا نام اعور ہے یہ زنا کراتی ہے
کہ مرد کے احلیل اور عورت کے فرج میں جوش پیدا کرتی ہے۔ ایک کا نام مسوط ہے۔ جو جھوٹی خبریں پھیلاتی ہے۔
ایک کا نام داسم ہے۔ یہ اس شخص کے ساتھ گھر میں گھس جاتی ہے جو بغیر بسم اللہ پڑھے گھر میں داخل ہو۔ حدیث پاک
میں وارد ہوا کہ ایک قسم کا نام خنزب ہے۔ ایک قسم کا نام قرین ہے۔ جو ہر شخص کے ساتھ رہتا ہے۔ اسی تفسیر صاوی میں
اسی جگہ ہے کہ کسی نے امام شعبی سے پوچھا کہ کیا ابلیس کی بیوی ہے؟ اگر ہے تو اس کا نام کیا ہے تو آپ نے فرمایا ان ذالک
عرس لم اشھدہ۔ اس کی شادی میں مجھے شرکت کا موقعہ نہیں ملا۔ مجھے خبر نہیں کہ بیوی کا نام کیا ہے۔ اسی جگہ فرماتے
ہیں۔ قال مجاھد ان ابلیس ادخل فرجہ فی فرج نفسہ فباض خمس بیضات فھذہ اصل
ذریتہ وقیل ان اللہ خلق لہ فی فخذہ الیمنی ذکرا وفی فخذہ الیسری فرجا فھو ینکح ھذا
بھذا فیخرج لہ کل یوم عشر بیضات یخرج من کل بیضۃ سبعون شیطانا وشیطانۃ
فھو یخرج ویطیر۔ یعنی رب تعالیٰ نے اس کی داہنی ران میں نر کا عضو اور بائیں میں مادہ کا عضو پیدا فرمایا ہے۔ وہ خود ہی
اپنے سے صحبت کرتا ہے جس سے روزانہ دس انڈے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر انڈے سے ستر نر و مادہ شیاطین پیدا ہوتے
ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیطان کے اولاد ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کے بیوی کوئی نہیں۔ وہ خود ہی نر ہے اور خود ہی مادہ
اللہ کی قدرت سے یہ بات بعید بھی نہیں ہے۔ انسانوں میں بعض خنثیٰ مشکل ہوتے ہیں۔ جن کے عورت و مرد دونوں کے
عضو ہوتے ہیں۔ دونوں سے پیشاب بھی آتا ہے۔ ہاں ان سے نسل نہیں چلتی۔ اس پر نہ مرد کے احکام جاری ہوتے ہیں
نہ عورت کے۔ چنانچہ خنثیٰ مشکل جماعت نماز میں مردوں سے پیچھے اور عورتوں سے آگے کھڑا ہو اور جب مر جاوے تو اسے کوئی غسل نہ
دے بلکہ تیمم کرا کے نماز پڑھ کر دفن کر دیا جاوے۔ رب تعالیٰ جب انسانوں میں ایسے لوگ پیدا فرما دیتا ہے۔ تو اگر شیطان میں
یہی ہو تو کیا بعید ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ دینی ضروریات میں سے نہیں۔ لہٰذا اس سے بحث نہ کی جاوے۔

احمد یار خان نعیمی

مسخ شدہ کی بیوی کا حکم

فتویٰ نمبر ۱۰۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مرد کی صورت مسخ ہو جاوے اس کی بیوی کیا کرے آیا نکاح میں رہے گی یا نہیں اگر نہ رہے گی تو عدت گزارے گی یا نہیں۔ اگر گزارے گی تو عدت طلاق یا عدت وفات بینوا توجروا

اسد الحق جہلم

الجواب

مسخ کی کل تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انسان پتھر لکڑی وغیرہ بن جاوے جیسے اساف و نائلہ کا حال ہوا۔ دوسرے یہ کہ کتا گدھا بندر وغیرہ ہو جاوے۔ جیسے سبت والوں کا حال ہوا۔ تیسرے یہ کہ ممسوخ انسان ہی رہے مگر اس کی شکل بگڑ جاوے۔ گورا تھا کالا ہو جاوے وغیرہ۔ آخری صورت میں نکاح برقرار رہے گا۔ اگر ممسوخ مومن ہو اور بدعملی کی وجہ سے شکل بگڑ گئی ہو۔ پہلی دونوں صورتوں میں نکاح جاتا رہے گا۔ پتھر ہو جانے کی صورت میں عورت عدت وفات گزارے گی۔ کیونکہ اس کا شوہر مر گیا۔ پتھر ہو کر بے جان ہو گیا قبر میں بھی انسان مٹی ہو جاتا ہے اور جانور بن جانے کی صورت میں اس کی عورت عدت طلاق یعنی تین حیض گزارے گی۔ کیونکہ جن وجوہ سے نکاح حرام ہوتا ہے اگر وہ وجوہ بعد نکاح پائی جائیں تو نکاح کو باطل کر دیں گی اور اس صورت میں عورت پر عدت طلاق واجب ہو گی۔ مثلاً مزنیہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہے۔ اگر کوئی اپنی ساس سے زنا کرے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاوے گی اور عدت طلاق گزارے گی کیونکہ اب وہ مزنیہ کی بیٹی بن گئی۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا۔ تو سمجھو کہ غیر جنس سے نکاح درست نہیں۔ انسان کا نکاح صرف انسان سے ہی ہو سکتا ہے۔ جن پری، دیو، بھوت اور بکری وغیرہ سے نہیں ہو سکتا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں اور جن وغیرہ انسان کی ہم جنس نہیں۔ نیز فرماتا ہے۔ فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ نساء عورت کو کہتے ہیں جن و حیوانات کی مادہ نساء نہیں کہلاتیں۔ اگر ایسے نکاح جائز ہوتے تو آدم علیہ السلام کے لئے ان کی ہم جنس حوا نہ پیدا کی جاتی۔ بلکہ کسی جن مادہ سے ان کا نکاح کرا دیا جاتا۔ درمختار کتاب النکاح کے شروع ہی میں ہے۔ فخرج الذکر والخنثیٰ المشکل والوثنیۃ والجنۃ وانسان الماء لاختلاف الجنس۔ معلوم ہوا کہ مرد کا نکاح مرد یا خنثیٰ مشکل یا جن یا دریائی انسان سے نہیں ہو سکتا کیونکہ جن وغیرہ غیر جنس ہیں۔ اسی کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے۔ لا یصح نکاح آدمی جنیۃ کعکسہ لا

اختلاف الجنس فكانوا كبقية الحيوانات۔ معلوم ہوا کہ جیسے انسان کا نکاح بکری کتے وغیرہ ذات سے نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی جن سے بھی نہیں ہو سکتا۔ رد المحتار میں ہے۔ ولان الجن یتشکلون بصور شتی فقد یکون ذکرا یتشکل بشکل انثیٰ۔ یعنی جن سے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ مختلف شکل اختیار کر سکتے ہیں لہذا جس جن عورت سے نکاح کیا جائے اگر وہ مرد بن جائے تو نکاح کیسے باقی رہے گا بہر حال یہ واضح ہو گیا کہ جن سے انسان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت علی نے جناتی سے نکاح کیا بعض باطل ہے۔ اسی طرح حضرت سلیمان کا نکاح بلقیس سے ہوا۔ صحیح یہ ہے کہ بلقیس انسان تھی نہ کہ جن۔ اور اگر جن بھی ہو تو شریعت سلیمانی میں شاید غیر جنس سے نکاح حلال ہو۔ جیسے شریعت آدم علیہ السلام میں بہن سے نکاح حلال تھا یا جیسے جنت میں حوروں سے نکاح ہوگا۔ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ۔ حالانکہ حوریں حضرت آدم کی اولاد نہیں۔ کیونکہ وہ آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا ہو چکی تھیں۔ ان کی پیدائش نور سے ہے۔ مگر چونکہ وہ عالم دوسرا ہے۔ وہاں کے احکام بھی جداگانہ۔ اس عالم کے احکام اس عالم پر جاری نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے جو حضرات قیامت سے پہلے جنت میں گئے یا وہاں سے وہ حوروں سے الگ رہے۔ حضرت آدم جنت میں تمام چیزیں استعمال فرماتے رہے۔ سوائے حوروں کے حضور علیہ السلام معراج میں حضرت ادریس علیہ السلام اپنی حیات میں جنت میں تشریف لے گئے۔ مگر قبل قیامت حوروں سے بے تعلق رہے۔ بہر حال اسلام کا حکم یہ ہے کہ غیر جنس سے نکاح حرام ہے۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو چکا کہ غیر جنس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ تو جو کوئی بعد نکاح غیر جنس بن جاوے اس کا نکاح فسخ ہو جاوے گا جیسا کہ ہمارے بیان کئے ہوئے قاعدے سے معلوم ہوا۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ اگر شوہر یا عورت مسخ ہو کر انسان ہی رہے تو نکاح قائم ہے اگر مرد پتھر بن گیا۔ تو عورت عدت وفات گزارے گی۔ اگر جانور کی شکل میں تبدیل ہو گیا تو عدت طلاق۔ هذا ما عندي والعلم عند ربي في كتاب لا يضل ربي ولا ينسى والله اعلم وعلمه عز اسمه اتم واحكم۔

احمد یار خاں نعیمی غفرلہ

سانسی کی نو مسلم بیوی کے اپنے اسی خاوند کے پاس ہونے کا حکم

فتویٰ نمبر ۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت سانسی مذہب رکھنے والی مسلمان ہو گئی اس کا شوہر سانسی ہی رہا اب اس کا شوہر اسے اپنے گھر لانا چاہتا ہے یا اس صورت میں عورت اس کے پاس جائے یا نہ جائے؟ میاں غلام محی الدین سفارش کرتے ہیں کہ بھیج دو کیونکہ اس کا نکاح باقی ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں یہ مسلمہ عورت اپنے پہلے سابقی شوہر پر حرام ہوگئی اب جب تک اس کا شوہر سابقی رہے۔ اس لئے کہ اس کے پاس جانا اور اس سے وطی کرنا حرام ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ عورت کو اس کافر شوہر کے پاس ہرگز نہ جانے دیں۔ اب یہ عورت فی الحال دوسرا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ چاہیئے کہ اس کے سابقی شوہر کو اسلام کی دعوت دی جائے۔ اس سے کہا جائے کہ تو بھی مسلمان ہو جا اگر وہ مسلمان ہو جائے۔ تب تو اسی کی بیوی کا رہے گی اور اگر شوہر انکار کرے یا خاموش رہے تو حاکم سے فیصلہ کرا کر دوسرا نکاح کرے۔ در مختار باب نکاح الکافر میں ہے ـــ
واذا اسلم احد الزوجين عرض الاسلام على الآخر فان اسلم فبها والا بان ابى او سكت فرق بينهما۔ اسی کے ماتحت شامی میں ہے۔ ما لم يفرق القاضي فهي زوجته حتى مات الزوج قبل ان تسلم امرأته الكافرة وجب لها المهر۔ واللہ اعلم۔ احمد یار خان

صرف تہبند سے نماز پڑھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۳۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل مسائل میں۔
بعض لوگ باوجود کپڑے ہونے کے صرف تہبند باندھ کر یعنی کرتہ پہنے بغیر ننگے بدن نماز پڑھتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کراہت سے یا بلا کراہت؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صرف تہبند باندھ کر کھلے بدن نماز پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا چنانچہ مسلم، بخاری کتاب الصلوٰۃ میں حضور علیہ السلام نے فرمایا لا يصلي الرجل في الثوب الواحد ليس على عاتقه منه شيء۔ یعنی کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کوئی کپڑا نہ ہو۔ اسی لئے امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک فرض نماز میں کندھا ڈھکنا فرض ہے اور ہمارے احناف کے نزدیک سنت۔ چنانچہ در مختار باب شروط الصلوٰۃ میں ہے۔ وشرط احمد ستر احد منكبيه ايضا۔ اسی کی شرح میں شامی میں فرماتے ہیں۔ هو شرط عنده في صلوة الفرض وعندنا ستر المنكبين مستحب غرضکہ کھلے کندھے نماز پڑھنا خلاف سنت ہے اور اگر سستی سے ہے تو زیادہ برا۔ عالمگیری باب شروط الصلوٰۃ میں ہے۔

والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلثۃ اثواب قمیص و ازار و عمامۃ اما لو صلی فی ثوب واحد متوشحا بہ تجوز صلوٰۃ من غیر کراھۃ وان صلی فی ازار واحد یجوز ویکرہ

خلاصہ فتویٰ یہ ہے کہ صرف ایک تہبند میں کھلے کندھے نماز پڑھنا مکروہ اور خلاف سنت ہے جن صحابہ کرام نے صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے انہوں نے اس سے تمام جسم ڈھک لیا تھا یا مجبوراً پڑھی کہ ان کے پاس قمیص موجود نہ تھی۔ اگر بلا ضرورت بھی پڑھی تو وہ صحابی کا فعل ہے اور ہماری ذکر کی ہوئی حدیث میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت ہے اور ظاہر ہے کہ دلیل اباحت پر دلیل حرمت اور فعل پر قول کو ترجیح ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

رمضان میں عشاء کے فرض بغیر جماعت پڑھنے سے وتر جماعت سے پڑھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص عشاء کے فرض بغیر جماعت کے تنہا پڑھے تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جو کوئی عشاء کے فرض بغیر جماعت علیحدہ پڑھے وہ تراویح تو جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔ مگر وتر جماعت سے نہیں پڑھ سکتا۔ علیحدہ پڑھے گا۔ شامی باب التراویح میں ہے۔ ثم رایت القہستانی ذکر تصحیح ما ذکرہ المصنف ثم قال لکنہ اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر اھ اور اگر فرض کی بالکل جماعت ہی نہ ہوئی ہو۔ بلکہ سب نے علیحدہ علیحدہ پڑھے ہوں تو وہ تراویح بھی جماعت سے نہیں پڑھ سکتے۔ درمختار میں اسی جگہ ہے۔ ولو ترکوا الجماعۃ فی الفرض لم یصلوا التراویح جماعۃ۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں

نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ بچہ کے پیچھے بالغ لوگ تراویح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض کا خیال ہے کہ اگر عشاء کے فرض اور وتر بالغ پڑھا دے اور تراویح نابالغ تو جائز ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نابالغ بچے کے پیچھے کوئی نماز جائز نہیں۔ فرض ہو یا وتر، تراویح ہو یا نماز عید، نماز خسوف و کسوف ہو یا استسقاء غرضیکہ فرض واجب نفل ہر نماز نابالغ کے پیچھے ناجائز ہے۔ بالغوں کی امامت بالغ ہی کر سکتا ہے۔ ان بچے بچوں کی امامت کر سکتا ہے۔ بعض علمائے بلخ نے تراویح و دیگر نوافل میں بچوں کی امامت جائز قرار دی ہے مگر یہ قول مرجوح اور ناقابل قبول، اور غیر مفتیٰ بہ ہے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ ناجائز ہے۔ یہی صحیح ہے اسی پر فتویٰ و اعتماد ہے۔

عالمگیری کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ میں ہے۔ وعلی قول ائمۃ بلخ یصح الاقتداء بالصبیان فی التراویح والسنن المطلقۃ کذا فی فتاوی قاضی خان والمختار انہ لا یجوز فی الصلوات کلہا کذا فی الہدایۃ وھو الاصح ھکذا فی المحیط۔ اسی طرح دُرِّ مختار باب الامامۃ میں ہے۔ ولا یصح اقتداء رجل بامرأۃ وخنثی وصبی مطلقا ولو فی جنازۃ ونفل علی الاصح۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جو امامت کے حق میں شرط عورت یا خنثی کے ہے کہ پیچھے عورت وخنثی کسی نماز میں مرد کی امامت کے قابل نہیں ایسے ہی نابالغ بچہ بھی۔ اسی کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ قال فی الہدایۃ وفی التراویح والسنن المطلقۃ جوزہ مشائخ بلخ ولم یجوزہ مشائخنا والمختار انہ لا یجوز فی الصلوٰۃ کلہا والمراد بالسنن الرواتب والعید فی احدی الروایتین وکذا الوتر والکسوفان والاستسقاء (فتح) شامی نے تصریح فرمادی کہ نفل و فرض سنت و واجب کسی نماز میں نابالغ بچہ بالغوں کی جماعت نہیں کرا سکتا۔ ہدایہ باب الامامت میں ہے۔ ولا یجوز للرجال ان یقتدوا بامرأۃ او صبی وفی التراویح والسنن المطلقۃ جوزہ مشائخ بلخ ولم یجوزہ مشائخنا والمختار انہ لا یجوز فی الصلوٰۃ کلہا لان نفل الصبی دون نفل البالغ حیث لا یلزمہ القضاء بالافساد بالاجماع ولا یبنی القوی علی الضعیف۔ غرضیکہ کسی نماز میں نابالغ بچہ بالغوں کی امامت نہیں کر سکتا۔ عقل کا بھی تقاضا یہی ہے کہ یہ امامت ناجائز ہو۔ اولاً اس لئے کہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ کوئی نماز ضعیف کے پیچھے نہیں ہو سکتی کیونکہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ضمن میں ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قوی ضعیف کو اپنے دامن میں لے سکتا ہے۔ نہ کہ ضعیف قوی کو اسی لئے فرض والے کی نماز نفل والے کے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ بالغ کی نفل شروع کرتے ہی واجب بن جاتی ہے۔ اور اگر توڑ دے تو قضا کرنی پڑے۔ نابالغ کا یہ حال نہیں۔ اگر وہ نماز شروع کرکے توڑ دے تو قضا واجب نہیں۔ اگر بالغ نابالغ کے پیچھے نفل پڑھے، تو گویا واجب نفل کے پیچھے ادا کررہا ہے اور یہ شرعی قاعدہ کے خلاف ہے۔ نیز جماعت میں بچوں کو بالغوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیئے۔ مردوں کے برابر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اولاً مردوصف

بالغ بچے پھر خنثیٰ پھر عورتیں۔ جب بچوں کو مردوں کے برابر کھڑا ہونا مکروہ ہے تو انہیں امام بنا کر آگے کھڑا ہونا کیونکر جائز ہوگا۔ حدیث شریف میں عورتوں کے بارے میں ارشاد ہوا۔ اخروھن من حیث اخرھن اللہ چونکہ اللہ تعالےٰ نے انہیں پیچھے رکھا ہے تم بھی انہیں پیچھے رکھو کہ نماز میں نہ تو مردوں کے برابر کھڑا ہونے دو۔ نہ امام بنا کر آگے کھڑا کرو۔ علمائے بلخ کا یہ قول قواعد شرعیہ کے بالکل خلاف ہے ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ اگر امام بھول کر پانچویں رکعت میں کھڑا ہو جائے اور اس رکعت میں اگر کوئی جماعت سے ملے تو بالاتفاق یہ شخص جماعت میں شریک ہوگیا حالانکہ امام کی یہ رکعت نفل ہے اور اس مقتدی کی فرض۔ اسی کو صلوٰۃ مظنونہ کہتے ہیں۔ جب اس رکعت میں فرض والا اقتدا کر سکتا ہے تو بچہ کے پیچھے بھی بالغ کی نماز ہو سکتی ہے۔ مگر اس دلیل پر دو طرح جرح ہے ایک یہ کہ امام زفر کے نزدیک یہ رکعت مظنونہ واجب الادا ہو جاتی ہے۔ اس کے توڑنے پر قضا واجب لہٰذا اس کے نفل ہونے پر اجماع نہ رہا۔ بخلاف بچہ کے کہ اس کی نماز کے غیر واجب ہونے پر اجماع ہے۔ دیکھو ہدایہ میں مقام امامت۔ لہٰذا بچہ کی نماز اس پر قیاس کرنا غلط ہے۔ اختلاف مجتہدین سے مسئلہ میں وسعت ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ پھر تو مشائخ بلخ کو چاہیے کہ بچہ کے پیچھے بالغ کی فرض نماز بھی جائز رکھیں کیونکہ رکعت مظنونہ میں فرض کی اقتدا درست ہے۔ عجیب بات ہے کہ مقیس علیہ میں فرض کی اقتدا ہو رہی ہے اور مقیس میں آپ نفل کی قید لگاتے ہیں۔ بہرحال بقاعدہ حنفیہ نابالغ بچہ کے پیچھے بالغ کی کوئی نماز جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

جنگی قیدی نومسلم عورتوں سے نکاح کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ مشرک عورتیں گرفتار ہو کر دار الاسلام میں لائی جا رہی ہیں۔ غازی انہیں فروخت کر جاتے ہیں۔ بعد میں وہ بخوشی مسلمان ہو جاتی ہیں۔ ان سے نکاح جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو کیا ان پر اپنے پہلے نکاح کی عدت لازم ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ان عورتوں سے جو اپنے شوہر سے حاملہ ہوں ان سے فی الحال نکاح نہیں ہو سکتا۔ وضع حمل کا انتظار ضروری ہے۔ اور جو غیر حاملہ ہوں خواہ کنواری ہوں یا شادی شدہ ان سے فوراً نکاح بھی درست ہے اور جماع بھی۔ بخاری شریف جلد اول کتاب الجہاد باب۔ باب غزو الصبی للخدمۃ میں ہے۔ فلما فتح اللہ علیہ

العجين ذكر له جمال صفية بنت حيى بن اخطب وقد قتل زوجها وكانت عروسا فاصطفاها رسول الله صلى الله عليه وسلم لنفسه فخرج بها حتى اذا بلغنا سد الصهباء حلت فبنى بها ثم صنع حيسا فكانت تلك وليمة رسول الله صلى الله عليه وسلم على صفية ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت صفیہ جنگ میں گرفتار ہو کر آئیں شادی شدہ تھیں۔ مگر فوراً ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے مشرف ہوئیں اور راستہ میں زفاف بھی ہوا۔ عدت وغیرہ کچھ نہ گزاری گئی۔ درمختار باب العدۃ میں ہے۔ وكذا لا تعتد مسبية افترقت بتباين الدارين لان العدة حيث وجبت انما وجبت حقا للعباد والحربي ملحق بالجماد الا الحامل فلا يصح تزوجها لا لانها معتدة بل لان في بطنها ولدا ثابت النسب ثوبية خرجت الينا مسلمة او ذمية او مستامنة ثم اسلمت وصارت ذمية الا الحامل۔ خلاصہ یہ ہے کہ کافر قیدی عورتیں غیر حاملہ سے نکاح اور صحبت فوراً درست ہے حاملہ سے فی الحال درست نہیں۔ کفار کا آپس کا نکاح شرعاً درست ہے اسی لئے قرآن کریم نے ام جمیلہ کو ابولہب کی بیوی فرمایا۔ وامرأته حمالة الحطب۔ اسی لئے ان کے بچے حلالی ہیں کہ باپ کی میراث پائیں گے۔ اگر زوجین اسلام قبول کرلیں تو نئے نکاح کی ضرورت نہیں مگر زوال نکاح سے مسلمان پر عدت لازم نہیں کہ وہ نکاح قابل احترام نہیں اور نہ کافر شوہر صاحب استحقاق۔

احمد یار خاں غفرلہ

مدارس کے چندے سے مزدوروں کو اُجرت دینے کا بیان

فتویٰ نمبر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر مدارس اسلامیہ میں چندہ وصول کرنے والوں کی اُجرت اسی چندوں کی رقم سے نصف یا تہائی یا چوتھائی کی شرح پر دی جاتی ہے۔ حالانکہ چندہ میں آئی ہوئی رقم صدقات نفلات زکوٰۃ وغیرہ بھی ہوتی ہے۔ جس کی پوری مقدار مدرسہ میں پہنچنی چاہیئے کیونکہ چندہ دینے والا اس پر راضی نہیں کہ اس کے دیئے ہوئے کا کوئی حصہ یہ سفیر حق سفارت میں وضع کرے اور اگر مہتمم مدرسہ سفیر سے یہ کہہ دے کہ تم جس قدر چندہ وصول کرو گے اس کی مقدار کا نصف یا تہائی مدرسہ کے فنڈ سے دیا جائے گا۔ تب بھی اگرچہ وہ سفیر چندہ مدرسہ میں دے دے اور اس کی مقدار کا ایک حصہ مہتمم مدرسہ سے مدرسہ میں سے لے تب بھی اُجرت مجہول رہی۔ حالانکہ کام و اُجرت دونوں معین ہونے ضروری ہیں اگر اُجرت مجہول رہی تو اجارہ فاسد ہوگا۔ جیسے کہ عالمگیری جلد ثالث کے پندرھویں باب کی

تیسری فصل کے مسائل میں مذکور ہے جبکہ حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک بھی یہی تھا کہ چندہ کی مقدار کا کوئی حصہ کرنا ناجائز ہے اور اجارہ کو فاسد کر دیتا ہے اور غالباً مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب دامت برکاتہم بھی اپنے مدرسہ کے چندہ کرنے والوں کی تنخواہ ہی مقرر فرماتے ہیں اور اس قسم کے مذکورہ بالا اجارہ کو فاسد فرماتے ہیں لیکن محصلین چندہ کے بارے میں تجربات شاہد ہیں کہ وہ مقرر کرنے میں دل سے کام کرتے ہیں۔ اور اس طرح مہتممانِ مدرسہ بھی بے فکر رہتے ہیں اور تنخواہ دار سفیر تو بعض بیٹھ پورا کرتے ہیں۔ اسی مجبوری کو دیکھ کر اکثر مدارس اسلامیہ کے منتظمین نے تنخواہ دار سفراء کی اُجرت بجائے تنخواہ کے چندہ کا ہی ایک حصہ تہائی یا نصف وغیرہ مقرر کر دیا۔ اس کو جائز سمجھا جاتا ہے جیسے کہ کتاب کے پندرھویں باب کی تیسری فصل میں ہے۔ دفع غزلا الی حائک لینسجہ بالنصف فالثوب لصاحب الغزل و مشائخ بلخ یجوزون ھذہ الاجارۃ لمکان الضرورۃ والتعامل۔ حضور کی خدمت میں استدعا ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق دقیق سے مطلع فرمائیں تاکہ منتظمین مدرسہ و سفراء و محصلین کے لئے اس کو اخباروں میں شائع کرا دیا جائے۔

بینوا توجروا۔

الجواب

سفیر مدرسہ کی اجرت چندہ کے نصف یا چہارم سے مقرر کرنا جائز ہے شرعاً ممنوع نہیں لیکن اس میں اتنی احتیاط کی جائے کہ سفیر صدقات واجبہ کی رقم دوسرے صدقات میں مخلوط نہ کرے اور وہ رقم بعینہٖ مہتمم مدرسہ کے حوالہ کر دے اس کے چہارم یا نصف کے بقدر دوسرے مال سے لے لے۔ یہ احتیاط جب ہے کہ جب سفیر غنی یا ہاشمی ہو اور مصرف زکوٰۃ نہ ہو لیکن اگر خود مصرف زکوٰۃ ہے تو اس احتیاط کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ مدرسہ کے طلباء اور مدرسین اور خدام کے سارے مصارف مدرسہ کے ہی مصارف ہیں ان میں سے کسی میں خرچ کرنا مدرسہ ہی میں خرچ کرنا ہے۔ لہٰذا دینے والوں کا اس سے ناراض ہونا بیکار ہے نیز یہ اجرت وصول چندہ کی ہے۔ لہٰذا یہ سفیر مثل عامل زکوٰۃ ہے۔ در مختار میں ہے او عامل فعم الساعی والعاشر فیعطی ولو غنیا لا ھاشمیا لانہ فرغ نفسہ لھذا العمل کابن السبیل۔ رد المحتار میں ہاشمی عامل کے بارے میں فرمایا۔ ما ذکرہ ھھنا صریح فی عدم حل الاخذ مطلقا جعلہ من الصدقۃ لا من غیرہ فلا دلیل فیہ علی عدم صحۃ تولیتہ عاملا اذا رزق غیرھا نیز عالمگیری باب المصارف میں عامل کے متعلق ہے۔ فان عمل الہاشمی علیہا و رزق من غیرھا لا باس بہ ھکذا فی الخلاصۃ۔ صاف معلوم ہوا کہ اگر غیر مصرف زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا عامل مقرر کر دیا جائے اور تنخواہ دوسرے پیسہ سے دی جائے تو جائز ہے۔ جہالت اجرت کا سوال بھی درست نہیں کیونکہ اجارہ اور بیع میں وہی جہالت فساد عقد کا باعث ہے جس سے جھگڑا پیدا ہو۔ ورنہ مطلق جہالت عقد کی مفسد نہیں۔ در مختار شروع کتاب الاجارہ میں ہے۔

وشرطها کون الاجارة والمنفعة معلومتین لان جهالتهما تفضی الی المنازعة نیز ہدایہ جلد ثالث باب خیار رؤیت میں ہے۔ ولان الجہالۃ لعدم الرؤیۃ لا تفضی الی المنازعۃ۔ چونکہ نصف در بیع اجرت مقرر کرنا باعث منازعت نہیں لہٰذا جائز ہے۔ اسی لئے کھیت کی زمین کا نصف یا چوتھائی پیداوار پر اجارہ جائز ہے۔ ورنہ سفیر کو تنخواہ پر رکھنا بھی ناجائز ہونا چاہئے کیونکہ اس کا عمل مجہول ہے۔ نہ معلوم کہ مہینہ میں کتنا سفر کرے گا یا کتنا چندہ وصول کر سکے گا۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اجیر کی اجرت اس کے عمل سے دینا ناجائز ہے۔ اسی لئے قفیز والا کو پسائی میں آٹا دینا منع ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شے میں عمل کرنے اور عمل سے اس شے کے حاصل ہونے میں بڑا فرق ہے۔ چندہ کا پیسہ سفیر کی کوشش سے حاصل ہوا۔ سفیر نے اس پیسہ میں کوئی عمل نہیں کیا ہے۔ لہٰذا چندہ سے سفیر کو اجرت دینا جائز ہے۔ اور آٹے سے پسائی کی اجرت اور کپڑے سے جولاہے کی اجرت دینا منع۔ چندہ کھیت کی پیداوار کی طرح ہے۔ جیسے مزارع کو اجرت دینا جائز ہے۔ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کی عادت میری نظر سے نہیں گزری۔ البتہ یہ عادت سمجھا آپ میرے قیام دھوراجی کے زمانہ میں مدرسہ منظر اسلام بریلی کے سفیروں کو بھیجا کرتے تھے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ یہ حضرات چہارم چندہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ احمد یار خاں عفی عنہ

فاتحہ اور ختم شریف کا حکم

فتویٰ نمبر ۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے جلالپور جٹاں میں ایک مہاجر مولوی صاحب ہیں وہ حسب ذیل باتیں کرتے ہیں۔

(۱) کھانے پر ختم دلانا حرام ہے۔

(۲) میت کے لئے تین دن ماتم پرسی کے لئے بیٹھنا حرام ہے۔

(۳) بعد نماز جنازہ کے دعا کرنا حرام ہے۔

(۴) محفل میلاد شریف گیارھویں وغیرہ عرس بزرگان حرام ہے کیونکہ یہ چیزیں زمانہ پاک نبوی میں نہ تھیں لہٰذا بدعت ہیں اور بدعت حرام ہے۔

(۵) زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے نہ ہوا۔ اس کے ثبوت میں نہ آیت قرآنی ہے نہ کوئی صحیح حدیث وہ بدچلن اور فاحشہ عورت تھی۔ اس کا یوسف علیہ السلام کی بیوی ہونا شان نبوت کے خلاف ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ و

الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ۔

(۹) یوسف علیہ السلام کے بھائی شرف صحبت کے باوجود گنہگار ہی رہے۔ ان کی تعظیم کرنا گناہ ہے بلکہ صحابی فرمایا جاوے گا۔ آیا یہ اعتقاد درست ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مولوی مذکور کے یہ تمام مسائل غلط اور بے بنیاد ہیں۔ ختم۔ فاتحہ۔ دعا بعد نماز جنازہ وغیرہ کار خیر ہیں۔ ان کے کرنے والا مستحق ثواب ہے۔ ان مسائل کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔ میں دو قاعدے عرض کرتا ہوں۔ پہلے قاعدے سے ان چار مسائل کا فیصلہ خود بخود ہو جاوے گا۔ اور دوسرے قاعدے سے انشاء اللہ آخری مسئلے خود بخود حل ہو جائیں گے۔ حرام و حلال ہونے کے لئے ایک قاعدہ ضرور خیال میں رکھنا چاہئے۔ وہ یہ کہ حرام یا ناجائز کام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا۔ اور اس سے منع فرمایا۔ حلال وہ کام ہے۔ جو اللہ و رسول نے منع نہ فرمایا ہو یا تو اس طرح کہ ان کے حلال ہونے کا ذکر فرمایا ہو یا اس طرح کہ ان سے سکوت ہو۔ ان کا ذکر ہی نہ فرمایا ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْــَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا۔ معلوم ہوا کہ جو باتیں اللہ کے رسول نے ذکر نہ فرمائیں وہ معاف ہیں۔ مشکوٰۃ شریف جلد دوم کتاب الاطعمہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الحلال ما احل الله والحرام ما حرم الله وما سكت عنه فهو معفو۔ حلال وہ جسے اللہ تعالیٰ نے حلال فرما دیا۔ حرام وہ جسے رب تعالیٰ نے حرام فرما دیا اور جس سے سکوت فرمایا وہ معاف ہے۔ شامی عالمگیری وغیرہ تمام کتب فقہ میں ہے۔ کہ الاصل فی الاشیاء الاباحة۔ ہر چیز اصل میں مباح ہے۔ ممانعت سے حرام ہوگی۔ جیسے کوئی چیز بغیر امر کے واجب نہیں ہو سکتی۔ ایسے ہی بغیر ممانعت کے حرام نہیں ہو سکتی۔ اب جو شخص گیارھویں وغیرہ کسی چیز کو حرام کہے۔ اس سے مطالبہ کرو۔ کہ دکھاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہاں منع فرمایا ہے یہ کہنا کہ جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو وہ حرام ہے۔ یہ قاعدہ بالکل غلط ہے۔ چھ کلمے۔ ایمان مجمل۔ ایمان مفصل۔ قرآن شریف کے تیس پارے۔ پورا علم حدیث یعنی اسناد کی جرح اور حدیث کے اقسام ضعیف۔ حسن۔ صحیح۔ معضل۔ مدلس وغیرہ ان کے احکام کہ ضعیف سے حسن اعلیٰ ہے۔ حسن سے صحیح قوی ہے پورا علم فقہ اور اس کی اصطلاحیں۔ علم اصول فقہ۔ اصول حدیث۔ اسلامی مدرسے۔ وہاں کا نصاب۔ دستار بندی کر کے مولوی بنانا۔ شریعت کے چاروں سلسلے حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ طریقت کے سلسلے قادری۔ چشتی۔ نقشبندی۔ سہروردی وغیرہ۔ ان میں کوئی چیز زمانہ نبوی میں نہ تھی۔ نقشبندی اور چشتی فارسی الفاظ ہیں۔ ان چیزوں کو تمام دنیا عملی جائز کہتی بلکہ ضروری مانتی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ کسی شے کا زمانہ نبوی کے بعد ایجاد ہونا حرام کا سبب نہیں۔ نیز فاتحہ وغیرہ میں

دو عبادتوں کا جمع کرنا ہے۔ یعنی تلاوت قرآن اور صدقہ۔ جب یہ دونوں عبادتیں علیحدہ علیحدہ جائز ہیں تو جمع ہو کر ضرور حلال ہیں۔ حلال چیزوں کا مجموعہ حلال ہی ہوتا ہے۔ جیسے بریانی۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے ثبوت کے لئے ہر جگہ نص قرآنی یا صحیح حدیث کی ہی ضرورت نہیں ثبوت کے ذریعہ چار ہیں۔ وحی۔ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، چار سے حواس، دلالت عقل۔ آخرت کے معاملات وحی یا قول رسول سے ثابت ہیں۔ مگر مصطفیٰ کا ثبوت ہمیں مشاہدہ سے ہوا۔ رب تعالیٰ کی ذات اس کی وحدانیت عقل سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اسی لئے جسے تبلیغ رسول نہ پہنچے۔ اسے بھی توحید پر ایمان لانا ضروری ہے۔ فی کل شیء له اية تدل على انه واحد۔ بلکہ علامہ شامی نے کتاب الشہادات میں فرمایا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں۔ جن میں صرف شہرت یا علامت سے بھی گواہی دی جا سکتی ہے جیسے نسب نکاح اوقات تبرکات۔ کسی کا سید مشہور ہونا۔ یا کسی پردیسی کا اپنے بال بچوں کے ساتھ مثل زن و شوہر رہا۔ اس سے سید ہونے یا اس کے نکاح کے علاوہ ہیں۔ اسی طرح کسی عمارت کے مینار سے و گنبد ہونا اس کے مسجد ہونے کی علامت ہے اگرچہ ہمیں وقف کی خبر نہ وقف کی جگہ اس علامت پر ہم اس کے مسجد ہونے کی گواہی دے سکتے ہیں۔ ملا علی قاری نے منسک متقسط میں لکھا کہ حاجی ان مقامات کی زیارت کرے جن کی زیارت عام مسلمان کرتے ہوں۔ ثبوت کے درپے نہ ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ مسلمان رب تعالیٰ کے گواہ ہیں اسی لئے عام مسلمان جسے ولی اللہ کہیں۔ وہ واقعی رب کا ولی ہوتا ہے۔ جیسے حضور غوث پاک یا خواجہ اجمیری قدس سرہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انتم شهداء الله في الارض۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ حضرت زلیخا کا نکاح یوسف علیہ السلام کے ساتھ ایک تاریخی واقعہ ہے جو مسلمانوں میں عام طور سے مشہور ہے۔ علماء صوفیاء محدثین مفسرین نے بیان فرمایا۔ جیسے تفسیر جلالین و کبیر و مدارک وغیرہ میں علامہ جلال الدین سیوطی و فخر الدین رازی وغیرہم نے بیان فرمایا۔ اتنی شہرت اتنے اکابر کا بیان کرنا اس تاریخی واقعہ کے ثبوت کے لئے کافی ہے جو اس کا انکار کرے۔ وہ کوئی نقلی کا حدیث پیش کرے۔ در مختار کتاب الشہادۃ میں ہے۔ ولا یشهد احد بما لم يعاينه بالاجماع الا في عشرة على ما في شرح الوهبانية منها العتق والولاء عند الثاني والمهر على الاصح بزازية والنسب والموت والنكاح والدخول بزوجته و لاية القاضي واصل الوقف وقيل وشرائط على المختار رسما من في باب فله الشهادة بذالك اذا اخبره بها بهذا الاشياء من يثق الشاهد به من خبر جماعة لا يتصور تواطؤهم على الكذب بلا شرط عدالة و شهادة عدلين۔

جب محض نکاح پر نکاح کے احکام وراثت مہر وغیرہ جاری ہو جاتے ہیں۔ تو حضرت زلیخا کے نکاح پر تو ہمیں

کوئی احکام بھی جاری نہیں کرتا ہے۔ وہ بھی بوجہ اولیٰ ان تجربوں سے ثابت ہو چکا ہے۔ حضرت زلیخا نہ فاحشہ تھیں نہ بدچلن قرآن کریم نے ان کے متعلق صرف اتنا بیان فرمایا ہے کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ۔ حضرت زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا قصد کیا۔ قصد زنا نہیں۔ نہ اس پر احکام زنا جاری ہوں۔ اور یہ قصد بھی حسن یوسف پر وارفتہ ہونے کی وجہ سے ہوا جیسے مصری عورتوں نے اس جمال یوسفی کو دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ جیسے وہ عورتیں معذور تھیں۔ ایسے ہی حضرت زلیخا نے وارفتگی اور بے خودی کی حالت میں یہ کیا۔ پھر قرآن کریم نے حضرت زلیخا کی سچی توبہ کا ذکر بھی فرمایا ہے کہ زلیخا نے کہا۔ اَلْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ۔ اب یہ حق ظاہر ہو گیا میں نے ہی انہیں رغبت دی تھی اور اپنے جرم کا اقرار ہی توبہ ہے۔ تو جتنے گناہ حضرت زلیخا سے ہوئے۔ وہ سب اس توبہ سے معاف ہو گئے۔ تعجب ہے کہ رب تعالیٰ تو ان کی توبہ کا اعلان کرے اور یہ گستاخ انہیں فاحشہ کہے جاویں۔ نیز حضرت زلیخا نے یوسف علیہ السلام پر بہت سے احسانات کئے۔ ان پر اپنی جان و مال نثار کیا۔ ایسی محسنہ کو گالیاں دینا اپنی آخرت برباد کرنا ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خان غفرلہ

جبری نکاح کا حکم

فتویٰ نمبر ۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو مجبور کر کے دھوکہ دے کر اس کی نابالغہ لڑکی کا نکاح عمر سے کرا دیا گیا۔ لڑکی نے بالغہ ہوتے ہی ـــــ فوراً دیکھتے ہی نکاح فسخ کر دیا تو نکاح جبری صحیح ہوا یا نہیں؟ اگر صحیح ہوا تو فسخ ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر صغیرہ کا ولی مجبرہ صغیرہ کا نکاح کفو میں کر دے یا خود کبیرہ اپنے کفو میں کر دے تو نکاح درست ہے اور اگر غیر کفو میں کرے تو نکاح درست نہیں۔ حاکم علیحدگی کا حکم دے دے گا۔ شامی شروع کتاب النکاح میں ہے —

زوجها اولياءها مكرهين والنكاح جائز ويقول القاضي للزوج ان شئت اتمم لها مهر مثلها او هي امرأتك ان كان كفوا لها والا فرق بينهما ولا شئ لها۔ باپ دادا اگر صغیرہ کا نکاح کر دیں تو وہ بالغہ ہو کر نہیں توڑ سکتی۔ ہاں اگر ان کے متعلق مشہور ہو کہ وہ رشوت یا بے پروائی سے نامناسب جگہ اپنی لڑکیوں کا نکاح کر دیتے ہیں یا انہوں نے دیوانگی یا بے ہوشی کی حالت میں نکاح غلط جگہ کیا ہو تو صغیرہ بالغہ ہو کر نکاح فسخ کر سکے گی۔ شامی باب الاولیاء میں ہے۔ ولزم النکاح ولو بغبن فاحش

او بغیر کفو ان کان الولی المزوج ابا او جدا لم یعرف منھما سوء الاختیار مجانۃ وفسقا وان عرف لا یصح النکاح اتفاقاً وکذا لو کان سکران فزوجھا من فاسق او شریر او فقیر او ذی حرفۃ دنیئۃ لظھور سوء اختیارہ ۔ اگر باپ دادا پہلے سے اس کام میں مشہور ہوں کہ اپنی لڑکیوں کا نکاح بے پرواہی یا رشوت وغیرہ سے غیر کفو میں کر دیتے ہوں تب لڑکی فسخ کر سکے گی ورنہ نہیں ۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے ۔ والحاصل ان المانع ھو کون الاب مشھورا بسوء الاختیار قبل العقد فاذا لم یکن مشھورا بذالک ثم زوج بنتہ من فاسق صح ۔ واللہ اعلم ۔

احمد یار خاں عفی عنہ

پاگل خاوند سے طلاق لینے کا بیان

فتویٰ نمبر ۸۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا شوہر گیارہ برس سے پاگل ہے ۔ کسی وقت ہوش میں نہیں آتا ۔ اب اس کے طلاق کی کیا صورت ہے ؟ کس امام کے مذہب پر اسے نکاح سے علیحدگی ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب

بہتر یہ ہے کہ عورت صبر کرے ۔ بعض علماء نے حسب ذیل شرائط کے ماتحت عورت کو فسخ نکاح کی اجازت دی ہے ۔ دیکھو رسالہ الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزہ

۱ عورت کی طرف سے جنون پر رضامندی نہ پائی جاوے ۔ اگر نکاح سے پہلے جنون کا پتہ تھا اس کے باوجود نکاح کیا تو فسخ کا اختیار نہیں ۔ اگر نکاح کے بعد جنون یا خبر جنون ہوئی تو بھی عورت نے رضامندی ظاہر نہ کی ہو ۔ اگر ایک بار بھی رضامندی ظاہر کر دی تو خیار گیا ۔

۲ جنون کا پتہ لگنے کے بعد عورت نے اپنے اختیار سے مرد کو جماع یا دواعی جماع کا موقعہ نہ دیا ہو اور اگر کبھی مرد کو بخوشی دیا تو فسخ کا اختیار گیا ۔

نوٹ ضروری ۔ اگر معمولی جنون تھا عورت نے شوہر کو جماع کا موقعہ بخوشی دے دیا ۔ پھر بعد میں جنون ترقی کر گیا تو بھی عورت کو فسخ کا اختیار ہوگا ۔ کیونکہ جس جنون سے عورت راضی ہوئی وہ اور نوعیت کا تھا یہ دوسری نوعیت کا ہے ۔ واللہ اعلم ۔

احمد یار خاں عفی عنہ

سورتوں کی ترتیب اور سورۃ چھوڑنے کا بیان

فتویٰ نمبر ۱۰۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام پہلی رکعت میں اذا جاء اور دوسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ پڑھتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ دوسرا امام خلاف ترتیب سورتیں پڑھتا ہے۔ مثلاً پہلی میں قُلْ ھُوَ اللّٰہ دوسری میں اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

۱۔ دو رکعتوں کی سورتوں میں یا تو چند چھوٹی سورتوں کا فاصلہ چاہیے یا ایک بڑی سورت کا اور اذا جاء اور قُل ھو اللّٰہ کے درمیان تبت یدا ہے جو چھوٹی سورت ہے اور ایک چھوٹی سورۃ کا فاصلہ مکروہ ہے لہٰذا اس طرح پڑھنا مکروہ ہے۔ درمختار باب القرأت میں ہے ۔ ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ۔ عالمگیری باب القرأۃ میں ہے ۔ واذا جمع بین سورتین بینھما سور او سورۃ واحدۃ فی رکعۃ واحدۃ یکرہ واما فی الرکعتین ان کان بینھما سور لا یکرہ وان کان بینھما سورۃ واحدۃ قال بعضھم یکرہ وقال بعضھم ان کانت السورۃ طویلۃ لا یکرہ ھکذا فی المحیط کما اذا کان بینھما سورتان قصیرتان واللّٰہ ورسولہ اعلم۔

۲۔ فرض نماز میں قرآن کی سورتیں ترتیب قرآن کے مطابق پڑھنا واجب ہے اگر عمداً خلاف ترتیب پڑھی جاویں تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ جس کا لوٹانا ضروری ہوگا۔ درمختار باب القرأۃ میں ہے۔ ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوساً الا اذا ختم فیقرأ من البقرۃ ۔ اس کے حاشیہ رد المحتار میں اسی جگہ ہے۔ بان یقرء فی الثانیۃ اعلیٰ مما قرء فی الاولیٰ لان ترتیب السور فی القرأۃ من واجبات التلاوۃ وانما جوز للصغار تسھیلاً لضرورۃ التعلیم۔ اسی طرح عالمگیری باب القرأۃ میں ہے۔ واذا قرء فی رکعۃ سورۃ وفی الرکعۃ الاخری او فی تلک الرکعۃ سورۃ فوق تلک السورۃ یکرہ۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز میں ترتیب قرآن کا لحاظ واجب ہے۔

واللّٰہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

غائب خاوند کے موت کی خبر پر بیوی کا دوسری جگہ نکاح کرنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل مسائل میں۔

۱۔ ایک عورت کا خاوند غائب ہے۔ کسی طرح اس کی موت کی خبر آئی۔ آیا اس خبر پر وہ عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ کیا وہ فرضی سال پورے کرے۔ یونہی کوئی اجنبی عورت کہہ دے کہ میرا خاوند مارا گیا یا مجھے طلاق دے چکا ہے۔ آیا اس سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ پاکستان بنتے وقت جو انقلاب ہوا اس وقت بعض مہاجرین سکھوں میں گھرے ہوئے دیکھے گئے مگر انہیں مرتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔ آیا وہ مفقود کے حکم میں ہیں یا ان کی بیویاں دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہیں۔ ایسے ہی وہ لوگ جو جنگ جرمن میں گئے اور لاپتہ ہو گئے۔ ان کی عورتیں کیا کریں؟

۳۔ بعض جنگ جرمن میں جانے والے لاپتہ سپاہیوں کے متعلق دفتر سے اطلاع مل کر سنا گیا ہے وہ مارا گیا۔ اس خبر پر اعتماد کر کے ان کی بیویاں نکاح کر سکتی ہیں۔ ان مسائل کی اس وقت سخت ضرورت درپیش ہے اس مشکل کو حل کیا جائے۔

الجواب

۱۔ صورت مذکورہ میں اگر موت کی خبر دینے والا فاسق فاجر نہ ہو۔ بلکہ نیک متقی آدمی ہو جس کی خبر قابل اعتبار ہو۔ تو عورت مذکورہ اپنا نکاح دوسری جگہ کر سکتی ہے کیونکہ اس خبر سے وہ شخص مفقود نہ رہا۔ مفقود تو وہ ہے جس کی کسی طرح کی خبر نہ ملے کہیں غائب ہوا۔ اور غائب کے اور احکام ہیں۔ مفقود کے کچھ اور۔ درمختار باب العدۃ میں ہے —
اخبرھا ثقۃ ان زوجھا الغائب مات او طلقھا ثلاثا او اتاھا منہ کتاب علی ثقۃ بالطلاق ان اکبر رأیھا انہ حق فلا باس ان تعتد و تتزوج وکذا لو قالت امرأۃ لرجل طلقنی زوجی وانقضت عدتی لا باس ان ینکحھا۔ اسی طرح اگر اجنبی عورت بیان کرے کہ میرا خاوند مر گیا میری عدت بھی پوری ہو چکی تو اس کا اعتبار کرنا درست ہے اور نکاح جائز ہے جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوا۔

۲۔ ایسے لوگ بے شک مفقود تو ہیں مگر ہر مفقود کا حکم یکساں نہیں جو آدمی ایسی آفت میں گرفتار ہو کر لاپتہ ہو جائے اس کے لئے اتنی دراز مدت انتظار کرنا ضروری نہیں۔ اس کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ اگر وہ شخص قوم کا بڑا آدمی تھا۔ جیسے بادشاہ یا وزیر یا کوئی بڑا آدمی جس کی زندگی مشہور ہو جاتی ہے اس کے لئے تھوڑے دن انتظار کیا جائے اور جو غیر معروف

لوگ ہیں ان کے لئے اس قدر انتظار کر لیا جاوے جس سے غالب گمان ہو جاوے کہ وہ مر گیا ہوگا۔ پھر اس کی بیوی اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ نوے سال کی قید اس مفقود کے لئے ہے جو ویسے ہی گھر سے لاپتہ ہو گیا ہو۔ چنانچہ شامی کتاب المفقود میں ہے۔ واذا فقد فی مہلکۃ فموتہ غالب فیحکم بہ کما اذا فقد فی وقت الملاقات مع العدو او مع قطاع الطریق او سافر علی المرض الغالب ھلاکہ او کان سفرہ فی البحر وما اشبہ ذالک حکم بموتہ لانہ الغالب فی ھذہ الحالات۔ اسی شامی میں اسی مقام پر ہے۔ لکن لا یخفی انہ لا بد من مضی مدۃ طویلۃ حتی یغلب علی الظن موتہ لا بمجرد فقدہ عند ملاقاتہ العدو او سفر البحر الا اذا کان ملکا عظیما فانہ اذا بقی حیا تشتہر حیاتہ۔ غرضکہ دشمن یا چوروں میں پھنس کر لاپتہ ہونے والا ایسے ہی مہلک بیماری کا لاپتہ مریض اور سمندر کا مسافر وغیرہ سب کا یہی حکم ہے کہ اس میں غلبۂ ظن کا اعتبار ہے۔

۲۔ اس صورت میں اگر فوجی دفتر سے کوئی پرچہ آ جاوے یا دو مسلمان کہیں کہ ہم نے سنا ہے کہ فلاں مارا گیا۔ تو اس کی بات قابل اعتبار ہے۔ عورت دوسرے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ بعد میں اگر بہت سے لوگ بھی کہیں کہ وہ زندہ ہے کسی کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ بحر الرائق شرح کنز الدقائق باب العدۃ میں ہے۔ قال رجل لامرأۃ سمعت ان زوجک مات لہا ان تتزوج ان کان المخبر عدلا فان تزوجت باخر واخبرہا جماعۃ بحیاتہ ان صدقت الاول صح النکاح کذا فی فتاوی النسفی۔ اور اس جنگ میں گئے ہوئے لوگ چونکہ دشمن میں گھر کر لاپتہ ہوئے ہیں۔ اس لئے اب وہ وفات پا چکے ہیں۔ اگر کوئی خبر نہیں ملے جب بھی ان کی بیویاں اپنا نکاح کر سکتی ہیں۔ جیسے کہ دوسرے جواب سے معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

نکاح فاسد و باطل کا فرق

فتویٰ نمبر ۸۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ (۱) نکاح فاسد و باطل میں کیا فرق ہے۔ اور ان کے احکام کیا ہیں؟

(۲) اور اگر حلالہ کی صورت میں نکاح فاسد کر دیا۔ تو حلالہ درست ہوا یا نہیں۔

الجواب

۱۔ جس نکاح کے جواز میں علمائے امت کا اختلاف ہو وہ نکاح فاسد ہے اور جس کے فساد میں اتفاق ہو وہ نکاح باطل ہے۔ اور جس کے جواز میں اتفاق ہو وہ نکاح صحیح ہے لہذا بغیر گواہ کے نکاح یا دوسرے کی عدت میں نکاح یا چوتھی

کی وجہ سے یا دو بہنوں سے نکاح یا ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح یا چار بیویوں میں سے ایک کی عدت میں پانچویں سے نکاح۔ حرہ کی موجودگی میں لونڈی سے نکاح۔ یہ تمام نکاح فاسد ہیں۔ شامی جلد دوم باب نکاح الفاسد میں ہے۔ ان محل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ کالنکاح بلا شہود فالدخول فیہ موجب العدۃ۔ اسی جگہ در مختار میں ہے۔ وھو الذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشہود اس کشہود کی شرح میں علامہ شامی نے فرمایا۔ و مثلہ تزوج الاختین معاً و نکاح الاخت فی عدۃ الاخت و نکاح المعتدۃ و الخامسۃ فی عدۃ الرابعۃ و الامۃ علی الحرۃ۔ اور نکاح باطل وہ ہے جس کی حرمت میں تمام علماء کا اتفاق ہو۔ جیسے جان بوجھ کر دوسرے کی عدت میں نکاح کر لینا یا محرمات سے نکاح یا منکوحہ غیر سے نکاح، شامی میں اسی جگہ ہے۔ واما نکاح منکوحۃ الغیر و معتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ ان علم انھا للغیر ولھذا یجب الحد مع العلم بالحرمۃ لانہ زنا۔ یہ فرق خیال میں رہے۔ غرضکہ اگر عورت یا مرد محل نکاح نہیں ہے جیسے محرم یا منکوحہ غیر یا مشرک تب تو نکاح باطل ہے اور اگر عورت تو محل نکاح ہے مگر کوئی شرط نکاح مفقود ہے۔ تب نکاح فاسد اسی طرح اگر محل نکاح نہ ہو۔ جیسے مسلم کے لئے کافرہ یا مرتد مرد تب بھی نکاح باطل ہے۔ ان دونوں کے احکام میں فرق یہ ہے کہ نکاح فاسد میں وطی کے بعد عدت اور مہر مثل لازم ہوگا۔ اس سے نسب ثابت ہوگا۔ اس میں عورت مرد ہر ایک کو فسخ کا اختیار رہیگا۔ اور اگر مرد و عورت حرام سمجھ کر یہ نکاح کریں تو ان پر حد ہے اور باطل میں ثبوت نسب، عدت، مہر وغیرہ کچھ نہیں کیونکہ یہ زنا ہی ہے۔ درمختار باب العدۃ میں ہے۔ ھی تربص یلزم المرأۃ عند زوال النکاح فلا عدۃ لزنا او شبہۃ کنکاح فاسد او مزفوفۃ لغیر زوجھا۔ اسی جگہ شامی میں ہے۔ لو تزوج امرأۃ الغیر و دخل بھا عالما بذلک لا یحرم علی الزوج وطؤھا لانہ زنا۔ درمختار باب نکاح الفاسد میں ہے۔ ویجب مھر المثل فی النکاح الفاسد بالوطی لا بالخلوۃ ولم یزد علی المسمی ویثبت لکل واحد منھما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بھا او لا وتجب العدۃ بعد الوطی لا الخلوۃ من وقت التفریق ویثبت النسب۔

۲۔ نکاح فاسد سے حلالہ درست نہیں۔ حلالہ میں شرط یہ ہے کہ دوسرا زوج نکاح صحیح کر کے صحبت کرے تب حلالہ درست ہوگا۔ درمختار باب الرجعۃ میں ہے۔ ولا ینکح مطلقۃ بھا ای بالثلث لو حرۃ و ثنتین لو امۃ حتی یطأھا غیرہ بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف وتمضی عدۃ۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں نعیمی

خیار بلوغ کے فسخ میں حاکم کے فیصلہ کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خیار بلوغ کی صورت میں لڑکی کا صرف فسخ کرنا کافی ہے یا حاکم کے فیصلہ کی ضرورت ہے۔ اگر حاکم کے فیصلے کی ضرورت ہو تو اگر لڑکی نے نکاح فسخ کر دیا مگر ابھی حاکم نے فیصلہ نہیں کیا ہے۔ تو کیا نکاح باقی ہے اور عورت مرد کو حلال ہے اور زوجین میں سے ایک دوسرے کی میراث کا مستحق ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

خیار بلوغ کی صورت میں لڑکی کے نکاح فسخ کرنے سے نکاح فسخ نہیں ہو جاتا۔ نکاح حاکم کے فیصلہ سے ٹوٹے گا البتہ فسخ کر دینے سے فسخ نکاح کا استحقاق ثابت ہوتا ہے۔ لہذا لڑکی کے انکار کرنے کے بعد حاکم کے فیصلے سے پہلے نکاح بدستور باقی رہتا ہے کہ صحبت بھی جائز اور توارث بھی جاری۔ عالمگیری باب الاولیاء میں ہے۔ وان زوجہا غیر الاب والجد فلکل واحد منهما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ ویشترط فیہ القضاء بخلاف خیار العتق فان اختار الصغیر والصغیرة بعد البلوغ ولم یفرق القاضی بینهما حتی مات احدهما توارثا ویحل للزوج ان یطأها ما لم یفرق القاضی بینهما۔

طلاق نامے میں ایک سال پیشتر کی تحریر کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل بعض لوگ طلاق نامہ میں لکھتے ہیں کہ میں ایک سال پہلے طلاق دے چکا ہوں۔ مگر باقاعدہ تحریر آج کر رہا ہوں اس صورت میں طلاق نامہ کی تحریر کے بعد عدت لازم ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں طلاق نامہ کی تحریر کے وقت سے ہی طلاق مانی جاوے گی۔ اور اسی ہی وقت سے عدت شروع ہوگی اس اقرار کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس میں تہمت ہے کہ شاید عدت سے بچنے کے لئے یہ حیلہ کیا ہو۔ اگر عورت تصدیق بھی کر دے کہ واقعی مجھے فلاں زمانہ میں ہی طلاق دی تھی جب بھی حکم یہی ہے۔ در مختار باب العدة میں ہے۔ لو اقر

بطلاقها مسند زمان ماض فان الفتوی انها من وقت الاقرار نفیا التہمۃ المواضعۃ لکن ان کذبتہ فی الاسناد او قالت لا ادری وجبت العدۃ من وقت الاقرار ولھا النفقۃ و السکنی وان صدقتہ فکذلک الشیخ انہ لا نفقۃ ولا کسوۃ ولا سکنی لھا۔ اس کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ ای سواء صدقتہ او کذبتہ ام قالت لا ادری۔ غرضکہ اقرار طلاق کی صورت میں اگر عورت تصدیق کر دے تب عدت تو واجب رہے گی مگر نفقہ لازم نہ رہے گا۔ اور اگر تکذیب کرے تو عدت بھی لازم اور نفقہ بھی واجب۔ ان اگر مقر اعلٰی درجہ کا متقی پرہیزگار ہو جس پر جھوٹ بولنے کا گمان نہ ہو سکے تو اس کا اقرار معتبر ہوگا اور اب مدت عدت میں کچھ لازم نہ ہوگا۔ اسی جگہ شامی میں ہے۔ وفی الفتح ان فتوی المتاخرین مخالفۃ للائمۃ الاربعۃ وجمہور الصحابۃ والتابعین وحیث کانت فی لغتھم للتہمۃ فینبغی ان یتحری بہ محالھا والناس الذین ھم مظانھا۔ اور اگر عورت مقر کے پاس ہی اب تک رہی ہو تب تو ظاہر ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ ورنہ اس نے اب تک عورت کو اپنے پاس کیوں رکھا اور طلاق چھپائی کیوں۔ اور جھوٹے فاسق کی خبر ناقابل قبول ہے شامی نے اسی جگہ فرمایا۔ زجراً لہ حیث کتم طلاقھا وھو المختار۔ واللہ ورسولہ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

ماہ رمضان مبارک میں علانیہ کھانے پینے کا حکم

فتوی نمبر ۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض مسلمان رمضان شریف میں بلا عذر بازاروں میں علانیہ کھاتے پیتے ہیں۔ ان کی سزا اسلام نے کیا مقرر فرمائی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ایسے لوگ یا تو روزہ کی فرضیت کے منکر ہیں۔ یا دین کا مذاق اڑاتے اور شعار اسلامی یعنی ماہ رمضان مبارک کی توہین کرتے ہیں۔ ان کے متعلق علمائے کرام اور ائمہ دین کا اتفاق ہے کہ قتل کر دیئے جاویں۔ بعض کتب موجودین کی توہین کا موجب جہل ان کا یہی حکم ہے۔ در مختار کتاب الصوم بحث کفارہ میں ہے۔ ولو اکل عمداً شہرۃ بلا عذر یقتل وتمامہ فی شرح الوہبانیۃ۔ اس کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ قال فی الوہبانیۃ

ولو اکل الانسان عمداً او شہرۃ ؎ ولا عذر فیہ قیل بالقتل یومر

قال الشارح بتلک صورتھا تعمد من لا عذر لہ الاکل جہاراً یقتل لانہ مستھزئ بالدین او منکر لما ثبت منہ بالضرورۃ ولا خلاف فی حل قتلہ والامر بہ فتعبیرہ الخ آہ

بقبیل لیس بلا زام للاصف۔ بلکہ رمضان شریف کا ادب تو یہ ہے کہ معذور بھی چھپ کر کھائے پیئے۔ لیکن یہ تنقل حکومت اسلامیہ کا فرض ہے۔ ہر شخص کو اس کی اجازت نہیں جیسے قصاص اور حد۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

غیر کفو میں نکاح کرنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بالغہ لڑکی نے اپنا نکاح بغیر ماں باپ کی اجازت کے ایسی نیچی قوم میں کر لیا جس سے اس قبیلہ کا نکاح کبھی نہیں ہوتا۔ بلکہ لڑکی والے اس قوم میں لڑکی دینا اپنی سخت ذلت و رسوائی محسوس کرتے ہیں۔ جب ماں باپ کو خبر ہوئی تو انہوں نے فوراً اس نکاح سے اپنی ناراضگی ظاہر کی۔ تو کیا ایسی صورت میں کہ یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس لڑکی پر عدت واجب ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں صحیح یہ ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوا کیونکہ اگر بالغہ لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے تو اس کے لئے اذن ولی شرط ہے ورنہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔ در مختار باب الولی کتاب النکاح میں ہے۔ فنفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضا ولی وللولی الاعتراض فی غیر الکفو فیفسخہ القاضی ما لم تلد ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان۔ اس کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ وقال شمس الائمۃ وھذا اقرب الی الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامۃ قاسم۔ اگر اس نکاح کے بعد صحبت ہو گئی ہے تو عدت ہے ورنہ نہیں۔ واللہ و رسولہ اعلم

احمد یار خاں عفی عنہ

بغیر ماتم کے فقط تعزیہ بنانے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسا تعزیہ جس میں نہ دُلدل ہو نہ کوئی قبر نہ اس کی پوجا ہو بلکہ محض یادگار حسین رضی اللہ عنہ منانے کے لئے بعض ارباب محبت امام عالی مقام کے روضہ کا نقشہ بنا کر تیار کر لیا اور زیارت کر لیا اور تعزیہ

کو کندھوں پر اٹھا کر گلی کوچوں میں لئے پھریں ایسا تعزیہ نکالنا حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا حلال۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مذکورہ تعزیہ جس میں مذکورہ بالا محرمات نہ ہوں بنانا حلال ہے کیونکہ یہ بعض غیر جاندار چیز کا نقشہ ہے جیسے مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ کے نقشے مگر مروجہ تعزیہ داری حرام ہے حسب ذیل وجوہ سے۔

۱۔ یہ تعزیہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضہ کا صحیح نقشہ نہیں۔ نہ تو تعزیہ بنانے والوں نے کربلا معلیٰ جاکر وہاں کا روضہ دیکھا ہے اور نہ وہاں کا صحیح نقشہ دیکھ کر اس کی نقل کی ہے بلکہ ہر تعزیہ دار علیحدہ فیشن کا تعزیہ بناتا ہے اب اس غلط اور جعلی نقشہ کو سید الشہداء کے روضہ کی تصویر سمجھ کر اس کی تعظیم کرنا حرام ہے جیسے درخت کے نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت الرضوان لی تھی۔ وہ اصل درخت تو گم ہو گیا تھا۔ لوگوں نے غلطی سے دوسرے درخت کی زیارت کرنا شروع کر دی۔ یہ سمجھ کر کہ یہ وہی بیعت والا درخت ہے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ درخت کٹوا دیا تاکہ غلط فہمی دور ہو۔ وہ بھی غلط چیز کی ہی زیارت کرتے تھے۔ اور موجودہ جاہل مسلمان بھی غلط نقشہ کی زیارت و تعظیم کرتے ہیں یہ بھی اسی طرح واجب الہلاک ہے۔

۲۔ اس تاریخ میں مروجہ جلوس نکالنا یزیدیوں کی نقل ہے۔ کہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے سر اور باقی قیدی اہل بیت کا جلوس نکالا۔ یہ مسلمان ان کی نقل کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے۔ من تشبہ بقوم فھو منھم۔ عاشورہ کے دن کی عبادت روزہ اور صدقہ و خیرات ہے۔ نہ کہ مروجہ ناچ کود۔

۳۔ تعزیہ بنا کر اسے دفن کر دینا یا اٹھا کر رکھنا بے جا خرچ ہے جو حرام ہے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کلوا واشربوا ولا تسرفوا ان اللہ لا یحب المسرفین ۝

۴۔ اس غلط نقشہ کا جلوس نکالنا اسے کندھوں پر اٹھائے پھرنا بازاروں میں گشت لگانا فعل لغو ہے۔ نہ اس میں دینی نفع ہے نہ دنیاوی فائدہ۔ یہ بھی حرام ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ھم عن اللغو معرضون۔ حدیث شریف میں ہے۔ کل لھو حرام الا ثلثۃ۔

۵۔ یہ فعل موجودہ روافض کی نقل ہے۔ کفار و مرتدین کی نقل اتارنا بھی حرام ہے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یادگار یہ فضول کام نہیں بلکہ ان کی یادگار پابندی نماز اس دن روزہ صدقہ خیرات ہے۔ اور آج کل پاکستان میں تیاری جہاد کرنا اور اب وقت کے یزیدیوں کو ووٹ نہ دینا ان کی سچی یادگار ہے کہ اس جناب نے سر دے دیا مگر یزید نا اہل کو ووٹ نہ دیا۔ امام حسین علیہ السلام کی ذات عالی ایسی واہیات یادگاروں سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

ہاں اگر صحیح نقشہ تیار کیا جاوے جس کی زیارت کی جاوے نہ کہ دفن کیا جاوے بلکہ محفوظ رکھا جاوے تو جائز ہے بلکہ سنت انبیاء ہے۔ طالوت بادشاہ کے پاس تابوت سکینہ رب تعالیٰ نے بھیجا جس میں گذشتہ انبیاء کرام

سے تبرکات اور ماثورہ پیغمبروں کی تصاویر اور ان کے مکانوں کے نقشے جن کی تعظیم و توقیر کرائی گئی۔ اس کی برکت سے فتح حاصل کی گئی۔ ایسے ہی یہ بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ٨٩

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو کی بیٹی زید کے نکاح میں تھی پہلے تو زن و شوہر کا اتفاق رہا۔ پھر ان میں نا اتفاقی ہو گئی۔ عمرو نے زید کو جانے سے بلا کر اندر بند کر کے چند آدمیوں کو مارنے کے لئے بلایا اور کہا کہ یا تو میری بیٹی کو طلاق لکھ دو۔ ورنہ جان سے ہاتھ دھوؤ۔ زید نے بے بسی کی حالت میں طلاق تحریر کر دی فرمایا جائے طلاق ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں اگر زید نے منہ سے طلاق کے الفاظ نہ بولے ہوں، صرف تحریر کر دی ہو۔ تو طلاق نہ ہوئی۔ وہ عورت بدستور زید کے نکاح میں ہے۔ عالمگیری کتاب الطلاق باب الکنایات فصل طلاق بالکتابت میں ہے۔ رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان فکتب امرأته فلانة بنت فلان طالق لا تطلق امرأته کذا فی فتاوی قاضی خان۔ اور چاہیے بھی یہ کہ طلاق نہ ہو۔ فان الطلاق بالتحریر یصح خلافاً للقیاس الحدیث ثلاث جدهن جد وهزلهن جد النکاح والطلاق والعتاق او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم وکل نص مخالف للقیاس یقتصر علی مورده فهذا الحدیث یقتصر علی التطلیق بالکلام ولا تتعدی الی الکتابة۔ اسی لئے اگر جبراً طلاق کا اقرار کرایا گیا۔ تو معتبر نہیں حالانکہ بحالت خوشی اقرار طلاق بھی طلاق ہے۔ اسی عالمگیری من یقع طلاق میں ہے۔ واجمعوا علی انه لو اکره علی الاقرار بالطلاق لا ینفذ اقراره۔ لیکن اگر زوج نے تحریر کے ساتھ طلاق منہ سے بولی ہے تو طلاق ہو گئی۔ کیونکہ جبریہ طلاق زبانی ہو جاتی ہے۔ عالمگیری باب من یقع طلاقه میں ہے۔ یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغاً عاقلاً سواء کان حراً او عبداً طائعاً او مکرهاً وطلاق اللاعب والهازل به واقع۔

فتویٰ نمبر ٩٠

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خدا کے سوا کسی مخلوق کی نذر ماننا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نذر کے دو معنی ہیں شرعی اور عرفی۔ نذر شرعی کے معنی ہیں غیر ضروری عبادت کو اپنے پر ضروری کر لینا اور نذر عرفی کے معنی ہیں نذرانہ، ہدیہ یا پیشکش۔ نذر شرعی خدا کے سوا کسی کی ماننا شرک ہے اور نذر عرفی جائز ہے۔ نذر شرعی کی تین شرطیں ہیں۔ نذر عبادت کی ہو۔ وہ عبادت خود مقصود واجب نہ ہو۔ وہ عبادت خود واجب کے جنس کی ہو۔ لہٰذا کپڑے پہننے، سر ڈھانپنے کی نذر درست نہیں۔ کیونکہ یہ کام عبادت نہیں۔ روزہ رمضان اور نماز ظہر کی نذر درست نہیں کیونکہ یہ چیزیں ویسے ہی واجب ہیں۔ وضو و غسل کی نذر درست نہیں کیونکہ اس کی جنس خود واجب نہیں بلکہ نماز کے لئے واجب ہے۔ اس نذر کا حکم ہے کہ اس کا ادا کرنا فرض ہوگا۔ اور اگر صدقہ وغیرہ کی نذر ہو۔ تو اسے وہ ہی کھا سکے گا۔ جو زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولیوفوا نذورهم۔ قرآن کریم میں اسی نذر کا تذکرہ ہے۔ لیکن دوسری قسم کی نذر یعنی نذرانہ ہدیہ۔ یہ اولیاء اللہ کے لئے ہو سکتی ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب النذر میں ہے کہ ایک بی بی نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ انی نذرت ان اضرب علی راسک بالدف قال اوفی بنذرک میں نے نذر مانی ہے کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں۔ فرمایا اپنی نذر پوری کر لو۔ اسی مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض غزووں میں تشریف لے گئے جب واپس تشریف لائے تو جاءت جاریۃ سوداء فقالت یا رسول اللہ انی کنت نذرت ان ردک اللہ صالحا ان اضرب بین یدیک بالدف واتغنی فقال لها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کنت نذرت فاضربی والا فلا۔ ایک لونڈی حبشیہ حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے نذر مانی تھی کہ حضور خیریت سے واپس تشریف لائیں تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں اور گاؤں۔ فرمایا اگر نذر مانی ہو تو بجا لو ورنہ نہیں۔ دیکھو ان دونوں حدیثوں میں لفظ نذر موجود ہے لیکن یہاں نذر شرعی نہیں یعنی نذر عرفی یعنی ہدیہ و نذرانہ ہے کیونکہ دف بجانا اور گانا عبادت نہیں بلکہ اس میں اپنی عقیدت اور حضور کی سلامتی پر فرح و سرور کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔ پہلی حدیث کی شرح میں لمعات میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔ ان ضرب الدف وان لم یکن من القربات التی وجب علی الناذر الوفاء بها بل من المباحات کاکل الاطعمۃ اللذیذۃ لکنہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بالوفاء نظراً الی مقصدها الصحیح الذی هو اظهار الفرح والسرور بقدومہ صلی اللہ علیہ وسلم غانما مظفرا علی الاعداء۔ حضرت مولانا احمد جیون تفسیرات احمدیہ میں زیر آیت۔ وما اهل بہ لغیر اللہ فرماتے ہیں ومن ههنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما هو الرسم فی زماننا حلال طیب ملخصاً۔ یعنی معلوم ہوا کہ جس گائے کی نذر اولیاء اللہ کے لئے مانی جاتی ہے وہ حلال و طیب ہے۔ یہاں بھی نذر سے مراد نذر عرفی ہے نہ کہ شرعی۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول صفحہ ۵۵ میں مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں اور جو اموات اولیاء کی نذر ہے تو اس کے

اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے۔ اور جو نذر یعنی تقرب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ نذر میں فرماتے ہیں۔ نذر کہ اینجا مستعمل مے شود نہ بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان مے برند نذر و نیاز مے گویند۔ غرضکہ لفظ نذر کے دو معنے ہیں شرعی اور عرفی۔ پہلے معنی سے نذر خدا کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی اور دوسرے معنی سے ہو سکتی ہے۔ جیسے لفظ طواف کے دو معنی ہیں شرعی اور عرفی۔ شرعی معنی عبادت مقصودہ ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ فلیطوفوا بالبیت العتیق اور فرماتا ہے۔ ان طھرا بیتی للطائفین والعٰکفین والرکع السجود۔ ان آیات میں طواف کے شرعی معنی ہیں یعنی بہ نیت عبادت کعبہ کے آس پاس گھومنا پھر قرآن شریف میں ہے ویطوف علیھم غلمان لھم کانھم لؤلؤ مکنون۔ فرمایا ویطاف علیھم بکاس من معین۔ فرماتا ہے۔ یطوفون بینھا وبین حمیم اٰن۔ سرکار فرماتے ہیں بلی کے بارے میں۔ من الطوافین علیکم والطوافات۔ ان آیات و احادیث میں طواف عرفی یعنی آنا جانا گھومنا پھرنا مراد ہے۔ ایسے ہی شرعی قسم صرف اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی ہے جس پر کفارہ کے احکام مرتب ہوں۔ لیکن قسم عرفی جس سے کلام کی مضبوطی ہو وہ غیر خدا کی بھی ہو سکتی ہے جیسے وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ۔ اس نذر عرفی کا حکم یہ ہے کہ نہ وہ واجب ہوتی ہے اور نہ اس کے خیرات میں کوئی پابندی ہے امیر و غریب کھا سکتا ہے۔ ہاں پہلی نذر شرعی میں اگر کوئی خاص جماعت مقرر کر دی جائے تو جائز ہے۔ مثلاً کہہ دے کہ خدایا اگر میرا کام ہو گیا تو میں تیرے نام پر نذر دوں گا اور وہ صدقہ فلاں بزرگ کے مجاوروں کو کھلاؤں گا تو جائز ہے۔ شامی نے کتاب الصوم بحث نذر اموات میں فرمایا۔ ان تکون صیغۃ النذر للہ تعالیٰ للتقرب الیہ ویکون ذکر الشیخ مرادا بہ فقراءہ

احمد یار خان نعیمی

فتویٰ نمبر ۹۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ اپنی نذر میں کسی جگہ یا کسی وقت کی پابندی لگا دیتے ہیں کہ فلاں جگہ صدقہ کروں گا۔ یا فلاں دن دیگ پکاؤں گا۔ یہ تعین جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب

کسی عبادت وغیرہ کے لئے وقت یا جگہ مقرر کرنے کی تین وجہیں ہیں۔ دو جائز و مستحب ہیں اور ایک ناجائز۔

اول: محض انتظام کے لئے دن یا جگہ مقرر کرنا تاکہ لوگوں کے اجتماع میں آسانی ہو جاوے۔ اور یہ کام اچھی طرح انجام کو پہنچے۔ کیونکہ جب تک جگہ اور وقت مقرر نہ ہو۔ لوگ جمع نہیں ہو سکتے اور انتظام اچھی طرح نہیں ہو سکتا۔ یہ جائز ہے جیسے شادی عقیقہ ولیمہ کی تاریخیں مقرر کرنا یا جماعت نماز کے لئے گھنٹے منٹ اور مدارس کے لئے تعطیل وغیرہ مقرر کرنا۔

دوم: اس دن یا اس جگہ کو کسی بزرگ سے نسبت ہو۔ اس کو متبرک سمجھ کر مقرر کرنا یہ بھی جائز بلکہ مستحب ہے۔ اس کی اصل

یہ ہے کہ رمضان اور شب قدر بعض عبادات کے لئے اس لئے مقرر ہے کہ اس میں نزول قرآن کی ابتداء ہوئی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ اور فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۔ جمعہ کا دن عبادت کے لئے اس لئے مقرر ہوا کہ اس دن بہت سے پیغمبروں کو خاص نعمتوں سے نوازا گیا۔ حج کے لئے جگہ مقرر قربانی کی تاریخ مقرر۔ ان ہی حکمتوں سے ہوئیں۔ مشکوٰۃ شریف باب صوم النفل میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دو شنبہ کے روزے کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ فِیْهِ وُلِدْتُ وَفِیْهِ اُنْزِلَ عَلَیَّ۔ اس دن ہم پیدا ہوئے اور اس دن قرآن شریف نازل ہوا۔ نیز اسی باب میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے یہودیوں سے دریافت فرمایا کہ تم عاشورہ کا روزہ کیوں رکھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس تاریخ کو رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات دی تھی کہ اسے غرق کیا تھا۔ اسی خوشی میں ہم روزہ رکھتے ہیں۔ فرمایا فَنَحْنُ اَحَقُّ بِمُوْسٰی مِنْكُمْ۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ فَصَامَهٗ وَاَمَرَ بِصِیَامِهٖ۔ خود بھی اس کا روزہ رکھا اور امت کو بھی حکم دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا۔ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْكَ۔ خدایا ہم پر آسمان سے دسترخوان اتار تاکہ دسترخوان کے اترنے کا دن ہمارے اگلوں پچھلوں کے لئے عید کا دن ہو جاوے معلوم ہوا کہ تاریخوں اور دنوں کو کسی صالح سے یا کسی اعلیٰ چیز سے نسبت ہو گئی۔ تو تاقیامت یہ تاریخیں کسی خاص عبادت کے لئے مخصوص ہو گئیں۔ لہٰذا اگر کسی تاریخ میں کسی بزرگ کا وصال ہوا ہو اس تاریخ پر اس کی فاتحہ کرنا یہ سمجھ کر کہ یہ تاریخ ان کے وصال یار کی تاریخ ہے۔ تو جائز اور مستحب ہے۔ شامی جلد اول باب زیارۃ القبور میں ہے کہ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَاْتِیْ قُبُوْرَ الشُّهَدَآءِ بِاُحُدٍ عَلٰی رَاْسِ كُلِّ حَوْلٍ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں شہداء احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے یعنی ان کی شہادت کی تاریخ پر۔ غرضکہ تقرر اور تعیین اگر اس سے ہو تو بھی جائز بلکہ مستحب ہے۔

۳ کسی دن یا جگہ کو اس لئے مقرر کرنا کہ اسے بتوں یا کفار سے نسبت ہو۔ یہ حرام ہے کہ اس میں بت کی تعظیم ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ مولیٰ اگر میرا یہ کام ہو گیا۔ تو میں دیوالی کے دن خیرات کروں گا۔ یا فلاں مندر پر جا کر صدقہ کروں گا۔ یہ سمجھتا ہو کہ یہ دن یا یہ جگہ بڑی با برکت ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب النذور میں ہے کہ ایک شخص نے منت مانی کہ میں بوانہ میں اونٹ قربانی کروں گا اور مسئلہ حضور سے دریافت کیا تو سوال فرمایا۔ هَلْ كَانَ فِیْهَا وَثَنٌ مِّنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِیَّةِ یُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِیْهَا عِیْدٌ مِّنْ اَعْیَادِهِمْ قَالُوْا لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْفِ بِنَذْرِكَ۔ کیا بوانہ میں کوئی بت تھا جس کی پوجا ہوتی ہو۔ عرض کیا نہیں فرمایا وہاں کفار کا کوئی میلہ لگتا تھا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو اپنی نذر پوری کر یعنی وہاں جا کر اونٹ ذبح کر۔ پتہ چلا کہ اگر جگہ یا تاریخ کے تقرر کا وجہ بت کی عظمت ہو تو حرام ہے۔

فتویٰ نمبر ۹۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ کسی غیر معین عبادت کو معین کرنا حرام ہے کیونکہ اس میں شریعت پر زیادتی ہے۔ مثلاً ایصال ثواب جب چاہو کرو تو جائز ہے لیکن اس کے لئے دن یا تاریخ مقرر کر لی گئی ہو یا بار ہویں تاریخ کو ہی کریں گے۔ یہ حرام ہے۔ دلیل یہ دیتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روزے سے منع فرمایا۔ دیکھو مشکوٰۃ باب صوم النفل۔ فقہاء بھی فرماتے ہیں کہ جمعہ کا روزہ مکروہ ہے۔ دیکھو جمعہ افضل وقت ہے مگر دیگر ایام سے اس کو خاص کر کے روزہ رکھنا مکروہ قرار دیا گیا۔ اس تعیین کے لئے سنی جو احادیث یا قرآنی آیات پیش کرتے ہیں اس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ شارع علیہ السلام کی طرف سے تعیین ہے۔ تم کیسے تعیین کر سکتے ہو۔ اس کا جواب کیا ہے۔

الجواب

زید بالکل جاہل اور شرعی احکام سے بے خبر ہے۔ کسی چیز کو بغیر قطعی مخالفت کے حرام نہیں کہہ سکتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عبادت غیر معین تو جائز ہو اور معین کرتے ہی اس میں حرمت آجائے کیا تعیین بھی کوئی زہر ہے۔ جس کے شامل ہو جانے سے اچھی چیز حرام ہو جاوے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ تمام یادگاریں منانا حرام ہو جائیں۔ حالانکہ تمام امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بزرگوں کی یادگاریں تاریخ مقررہ پر کرتی رہی اور کرتی ہے۔ پاکستان بننے کی تاریخ بھی خوشی منائی جاتی ہے۔ ۲۵ دسمبر کو جناح صاحب کا جنم دن منایا جاتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مارأہ المؤمنون حسنًا فھو عند اللہ حسن۔ جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ زید نے صرف دو وہم پیش کئے ہیں۔ ایک یہ کہ تعیین میں شریعت پر زیادتی ہے دوسرے جمعہ کا روزہ منع ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ شریعت میں زیادتی جب کہی جا سکتی تھی جب کسی کا خیال یہ ہو کہ اس تاریخ میں یہ عبادت کرنا فرض ہے اور دوسری تاریخوں میں حرام ہے۔ چونکہ فرائض و حرمات نوعاً و شخصاً مقرر ہو چکے ہیں۔ اس میں زیادتی کی نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی یہ بھی سمجھے تب بھی اس کا یہ خیال غلط ہوگا۔ فاتحہ پھر بھی حلال رہے گی۔ اگر کوئی شخص گائے کا گوشت فرض سمجھ کر کھائے تو وہ گوشت حرام نہ ہو جائے گا۔ ہاں اس کا یہ عقیدہ غلط ہوگا۔ اگر کوئی شخص جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت کرے تو اگرچہ اس کا یہ کام حرام ہے مگر چیز حلال رہے گی۔ اسی طرح یہ بھی ہے بلکہ زید کا تعیین کو حرام کہنا یہ شریعت میں زیادتی ہے۔ رہا زید کا دوسرا قول کہ حضور علیہ السلام نے جمعہ کے روزے کی ممانعت فرمائی۔ اس کی وجہ تعیین نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں اس کی چار وجہ بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ یہ دن نماز جمعہ و غسل و زیارت قبور کا ہے۔ روزے کی وجہ سے ان کاموں میں دشواری ہوگی۔ اس لئے نہ رکھے جیسے حاجی کے لئے عرفہ کا روزہ مکروہ ہے کیونکہ یہ دن اس کے کام کا دن ہے دوسروں کے لئے مستحب ہے کیونکہ انہیں کوئی کام

نہیں نیز حاجی پر نماز عید نہیں کیونکہ وہ دیگر کاموں میں مشغول ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کو یہود و نصاریٰ سے مشابہت کرو۔ وہ اپنے ہفتہ و اتوار کو روزہ رکھتے ہیں۔ اور دن نہیں رکھتے۔ تیسرے وجوب کے اعتقاد سے یہ روزہ رکھنا مکروہ ہے کہ کوئی اس دن کا واجب سمجھ کر رکھے۔ چوتھے اس لئے کہ جمعہ کا دن ہفتہ کی عید ہے تو عید کے دن کھاؤ پیو روزہ کیا رکھتے ہو۔ چنانچہ دار قطنی کی روایت میں ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کا دن عید کا دن ہے۔ اسے روزے کا دن نہ بناؤ۔ اگر جمعہ کا روزہ تعیین اور تخصیص کی وجہ سے مکروہ ہو تو دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ سرکار فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم لا تختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومه احدکم (مسلم) تم جمعہ کو روزے سے خاص نہ کرو۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی تاریخ میں روزہ رکھتا ہو اور اس تاریخ کو جمعہ آجاوے تو رکھ لے۔ پتہ چلا کہ تعیین کی تو اجازت دے دی گئی کہ کوئی گیارھویں یا بارھویں کے روزے کا عادی ہو اور مقرر کردہ تاریخوں میں جمعہ آجاوے تو روزہ رکھ سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ لا یصوم احدکم یوم الجمعة الا یصوم قبله او یصوم بعده۔ متفق علیہ۔ کوئی شخص صرف جمعہ کا روزہ نہ رکھے بلکہ اس کے ساتھ آگے پیچھے ایک دن کا روزہ اور بھی رکھ لے۔ غور فکر کیا تو اس تعیین سے عقیدے کا تعیین مراد ہے۔ یا تشبیہ یہود سے بچنا۔ دو شنبہ کے روزے کی اجازت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا وجہ نہ دی۔ بلکہ وجہ بیان فرمادی کہ چونکہ اس دن ہماری ولادت اور ابتداء وحی ہے۔ لہٰذا روزہ رکھو۔ اور جن احکام شرعیہ کی وجہ خود شارع علیہ السلام بیان فرمادیں تو وہ احکام ہر اس جگہ پائے جائیں گے جہاں وہ وجہ پائی جائے۔ جیسے حیض میں صحبت حرام ہے کیونکہ پلیدی کی وجہ سے۔ لہٰذا نفاس میں بھی حرام ہے۔ لہٰذا دو شنبہ کا روزہ اس لئے مستحب ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہے۔ تو بارھویں ربیع الاول اور گیارھویں ربیع الثانی کا روزہ بھی اس لئے مستحب ہے کہ یہ دن اللہ کے مقبولوں کی طرف منسوب ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خان نعیمی غفرلہ

فتویٰ نمبر ۹۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مصیبت کے موقعہ پر نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر پڑھے تو اس سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صحیح یہ ہے کہ قنوت نازلہ مصیبت کے وقت صرف نماز فجر میں بعد رکوع جائز ہے۔ مگر خلاف اولیٰ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ نماز کے بعد پڑھی جاوے تاکہ خلاف اولیٰ سے بچ جاوے۔ فجر کے سوا قنوت کسی اور نماز کا جائز نہیں۔ اگر کوئی پڑھ لے گا تو فاسد

ہوگی۔ اور اعادہ ضروری ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چند روز پڑھی پھر ترک فرما دی بعض صحابہ کرام کے نزدیک یہ ترک اس لئے تھا کہ اب ضرورت نہ رہی تھی۔ اور بعض صحابہ کرام کے نزدیک یہ قنوت اس آیت سے منسوخ ہے۔ لیس لک من الامر شیء۔ انہی صحابہ کرام کے اختلاف کی وجہ سے فقہاء میں سخت اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ کے زمانہ میں قنوت پڑھتے تھے۔ طحاوی شریف صفحہ ۱۴۴ میں ہے۔ کان عمر اذا حارب قنت واذا لم یحارب لم یقنت۔ اسی مقام میں طحاوی شریف میں ہے انما قنت عند الدعاء فی حال عدم القتال۔ اور صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے ہیں۔ چنانچہ ابو مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بدعت فرمایا اور فرمایا کہ خلفائے راشدین نہ پڑھتے تھے۔ دیکھو نسائی شریف جلد اول صفحہ ۱۲۲۔ اسی وجہ سے فقہاء میں بڑا اختلاف رہا۔ احناف کے نزدیک جائز ہے۔ مگر بہتر نہیں چنانچہ طحاوی شریف میں صفحہ ۱۴۹ میں ہے۔ فثبت بما ذکرنا انہ لا ینبغی القنوت فی الفجر فی حال حرب ولا غیرہ قیاسا ونظرا علی ما ذکرنا من ذالک وھذا قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف ومحمد۔ مولانا بحر العلوم رسائل ارکان صفحہ ۱۲۴ میں فرماتے ہیں۔ وعندنا لیس مشروعا فی الصلوۃ المکتوبۃ وھو الاشبہ بالصواب۔ تفسیرات احمدیہ طبع کلکتہ صفحہ ۱۲۵ میں ہے۔ دعا القنوت عندنا انما یجب فی صلوۃ الوتر خاصۃ ولا یجوز فی صلوۃ الفجر اصلا۔ فتاویٰ عالمگیری کتاب الصلوۃ صفحہ ۱۲۵ میں ہے۔ ولا یقنت فی غیر الوتر کذا فی المتون شرح سفر السعادۃ صفحہ ۱۱ لمعات میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ نزد امام ابو حنیفہ قنوت در نماز فجر اصلا نیست وقنوت آنحضرت مخصوص بوقت بود صلی اللہ علیہ وسلم و در وقفہا یا مخصوص بود بعد ازاں ترک کرد۔ یعنی امام حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نماز فجر میں قنوت ہرگز نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قنوت پڑھنا یہ آپ کی خصوصیات میں سے تھا کہ خاص ضرورت پر پڑھی اور پھر چھوڑ دیا۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز فجر میں قنوت نازلہ کبھی نہ پڑھی جاوے نہ مصیبت میں اور نہ ویسے ہی۔ کیونکہ یہ منسوخ ہے۔ اور بعض حنفی فقہاء فرماتے ہیں کہ مصیبت کے موقعہ پر فجر میں اب بھی قنوت پڑھ سکتے ہیں۔ چنانچہ رد المحتار جلد اول مطلب قنوت نازلہ میں فرماتے ہیں ان قنوت النازلۃ عندنا مختص بصلوۃ الفجر دون غیرھا من الصلوۃ الجہریۃ والسریۃ یعنی ہمارے نزدیک قنوت نازلہ نماز فجر سے خاص ہے۔ اس کے علاوہ کسی نماز میں جائز نہیں۔ نہ جہری میں نہ سری میں۔ طحاوی علی الدر المختار جلد اول صفحہ ۲۰۳ میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت [illegible] فی صلوۃ الفجر۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ فھذا صریح فی تخصیص القنوت للنوازل بالفجر۔ یعنی مصیبت کے موقعہ پر صرف فجر میں قنوت پڑھی جائے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز میں قنوت نازلہ مصیبت کے موقعہ پر پڑھنا جائز ہے۔ بہرحال فقہاء کا اختلاف ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ نماز فجر کے بعد پڑھے۔ اور اگر فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھے تو جائز ہے۔ مگر بہتر نہیں۔ لیکن اور نماز میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہوگی کیونکہ رکوع کے بعد فوراً سجدہ واجب ہے۔ اگر بقدر ادائے رکن یعنی

بقدر ایک تسبیح دیر کی گئی۔ تو واجب لازم آیا۔ اور واجب کا ترک اگر بھول سے ہو تو سجدہ سہو واجب ہے اگر عمداً ہو تو نماز کا لوٹانا ضروری ہے طحطاوی علی الدر مختار صفحہ ۲۱۳ میں ہے۔ لو اطال قیام الرکوع او الرفع بین السجدتین اکثر من تسبیحۃ ساھیا یلزمہ سجود السہو۔ یعنی اگر رکوع کے بعد کا قیام یا سجدوں کے درمیان بیٹھنا ایک تسبیح کی قدر زیادہ کر دیا بھول کر تو سجدہ سہو واجب ہے۔ رد المحتار جلد اول صفحہ ۵۱۱ میں ہے۔ والعمد لا یجبرہ سجود السہو بل تلزم فیہ الاعادۃ۔ یعنی عمداً واجب کے چھوڑنے میں سجدہ سہو کافی نہیں بلکہ نماز کا لوٹانا واجب ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ بحر الرائق نے شرح نقایہ کی عبارت بحوالہ غایہ یوں نقل فرمائی قنت الامام فی صلوۃ الجہر وھو قول الثوری واحمد یعنی امام جہری نماز میں قنوت پڑھے یہ امام ثوری اور احمد کا قول ہے۔ لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہاں کاتب نے غلطی سے بجائے فجر کے جہر کر دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی بحر الرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق میں بحر کے اس قول کے ماتحت فرماتے ہیں۔ ولعلہ محرف من الفجر وقد وجدتہ بہذا اللفظ فی حواشی مسکین وکذا فی الاشباہ۔ نیز طحطاوی علی الدر المختار میں جلد اول صفحہ ۲۸۶ میں ہے۔ والذی یظہر لی ان قولہ فی البحر وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوۃ الجہر تحریف من النساخ وصوابہ الفجر۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں صفحہ ۲۲ میں ہے۔

الذی فی البحر عن الشمنی فی شرح النقایۃ معزیا للغایۃ اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت فی صلوۃ الفجر وھو قول الثوری واحمد۔ الاشباہ والنظائر صفحہ ۲۸۸ میں ہے صرح فی الغایۃ و عزاہ الشمنی الیہا بانہ اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوۃ الفجر وھو قول الثوری واحمد۔ دلائل واضح سے ثابت ہوگیا کہ صرف نماز فجر میں مصیبت کے وقت قنوت جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے اور کسی نماز میں جائز نہیں۔ اگر اس کی زیادہ تحقیق منظور ہو تو حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کے فتویٰ قنوت نازلہ میں مطالعہ کیجئے۔ یہ فتویٰ وہاں سے ماخوذ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۹۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں ایسے ہی ریڈیو پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ریڈیو پر نماز پڑھانا دور کے لوگوں کو ناجائز ہے کیونکہ امام اور مقتدی کی جگہ ایک ہونا ضروری ہے۔

اور مقتدی زیادہ ہوں اور صفیں بہت ہوں تو ضروری ہے کہ امام سے لے کر آخیر صف تک صفیں متصل ہوں بیچ میں فصل کثیر نہ ہو۔ اور جب امام کراچی میں ہے اور مقتدی لاہور میں اور وہاں سے اس کی اقتدا کر رہا ہے تو مکان ایک نہ رہا۔ لاؤڈ سپیکر پہ نماز پڑھانے میں چند قباحتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں قرأت قدر ضرورت سے زیادہ اونچی آواز سے ہوتی ہے اور یہ مکروہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا۔ نہ نماز میں زیادہ چیخ کر تلاوت کرو۔ نہ بہت ہلکا آہستہ کہ مقتدی نہ سن سکیں بلکہ درمیانی آواز رکھو اور لاؤڈ سپیکر پہ نماز پڑھانے میں تلاوت کی آواز بہت دور تک جاتی ہے۔ جو کہ مقتدیوں کی حاجت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا مکروہ ہے اسی لئے جب مقتدی تھوڑے ہوں تو امام کو زیادہ چیخ کر نماز پڑھانا یا بلا ضرورت مکبر مقرر کرنا یا اگر زیادہ صفیں ہوں تو جہاں تک امام کی تکبیروں کی آواز پہنچ رہی ہو وہاں مکبر کھڑا کر دینا یا جہاں پہلے مکبر کی آواز پہنچ رہی ہو وہاں دوسرا مکبر کھڑا کر دینا یہ سب مکروہ ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ لاؤڈ سپیکر میں یہ بھی شبہ ہے کہ جو آواز یونٹ سے نکلتی ہے وہ امام کی اپنی آواز نہیں بلکہ صدائے بازگشت ہے۔ جیسے گنبد یا جنگل کی آواز اگر یہ ہے تو اس پہ نماز کی حرکتیں کرنا زیادہ بُرا ہے۔

۳۔ یہ کہ اس میں سنت کا ترک ہے۔ یعنی سنت یہ ہے کہ نماز میں مکبر کھڑے کئے جاویں اور لاؤڈ سپیکر میں اس کو بند کر کے آلہ استعمال کرتا ہے اور جو شے رافع سنت ہو۔ وہ بدعت سیئہ ہے۔ بہرحال لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانا بہتر نہیں۔ باقی لاؤڈ سپیکر پہ اذان خطبہ، وعظ وغیرہ سب بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ نماز میں وہ پابندیاں ہیں جو اور جگہ نہیں۔

احمد یار خان نعیمی

فتویٰ نمبر ۹۵

علمائے دین حسب ذیل مسئلہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی کونسی قوی دلیل ہے، بخاری شریف کہتی ہے۔ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ حنفیہ کے پاس اس حدیث کے سوا اور کوئی حدیث نہیں کہ مَنْ كَانَ لَهُ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ قِرَاءَةٌ لَهُ۔ یعنی جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔ تو چاہیے کہ پہلی حدیث کو ترجیح ہو کیونکہ دوسری حدیث صرف امام اعظم سے مروی ہے۔ اور امام اعظم کو حدیث نہیں آتی تھی۔ اس لئے ان سے روایات بہت کم ہیں۔ نیز اس پر دار قطنی نے جرح کی ہے۔

الجواب

امام کے پیچھے مقتدی کو قرأۃ کرنا حنفیوں کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ جس پر قرآن کریم احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کرام

کے اقوال و اعمال گواہ ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ اس آیت میں تلاوت قرآن کریم کے وقت دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اس وقت خاموش رہنا اور کان لگا کر سننا۔ اور یہ حکم مطلق تلاوت کا ہے۔ لہٰذا تلاوت امام بھی بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس تلاوت سے مراد صرف جمعہ کا خطبہ ہے۔ وہ درست نہیں کہتے، چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ آیت مکیہ ہے اور خطبہ کی فرضیت مدنی ہے لہٰذا اس آیت کے نزول کے وقت خطبہ تھا ہی نہیں دیکھو تفسیر خازن۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ مان لیا جاوے تب بھی یہ حکم خطبہ پر محدود نہ ہوگا۔ بلکہ خطبہ نماز سب کو شامل رہے گا کہ عام میں بلا وجہ تخصیص نہ ہو جاوے بلکہ خطبہ اسی لئے اس آیت میں داخل ہے کہ اس میں تلاوت قرآن ہوتی ہے۔ تو نماز بھی اسی وجہ سے اس آیت میں داخل رہے گی۔ تیسرے یہ کہ خطبہ میں تلاوت قرآن سنت ہے۔ فرض نہیں اور نماز میں تلاوت قرآن فرض ہے۔ لہٰذا بمقابلہ خطبہ کے نماز کا اس آیت میں داخل ہونا قوی تر ہے۔ چوتھے اس لئے کہ آیات میں شان نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ اصول فقہ سے ثابت ہے۔ تو آیت اگرچہ خطبہ کے لئے آئی ہو۔ مگر چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں۔ لہٰذا نماز کو بھی شامل ہوگی۔ اس آیت کا عموم دیکھ کر علماء نے حکم دیا کہ خارج نماز بھی تلاوت قرآن کے وقت خاموشی اور سننا فرض کفایہ ہے کیونکہ آیت عام ہے طلباء کی تعلیم کا حکم اس سے خارج ہے کیونکہ وہاں تلاوت نہیں ہوتی تعلیم ہوتی ہے۔ اسی لئے تلاوت کے وقت اعوذ پڑھنا ضروری ہے۔ تعلیم کے وقت نہیں (شامی) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں نماز میں کلام کرنے سے روکا گیا ہے۔ نہ کہ سورہ فاتحہ سے۔ مگر یہ بھی غلط ہے کہ نماز میں کلام کرنا اس آیت سے منسوخ ہوا ہے۔ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ۔ جیسا کہ مسلم باب نسخ الکلام فی الصلوٰۃ اور بخاری باب العمل فی الصلوٰۃ میں ہے اسی پر سارے مفسرین کا اتفاق ہے۔ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آیت کی یہی تفسیر ثابت ہے۔ اور قرآن کی تفسیر جو حدیث کرے۔ وہ دیگر تفاسیر سے قوی ہے اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ اس آیت سے نماز میں کلام کرنا منسوخ ہے تو وہ بھی اسی لئے منع ہے کہ اس سے قرآن سننے میں خلل ہوگی۔ لہٰذا اسی وجہ سے نماز میں قرأت بھی منع ہوگی (تفسیرات احمدیہ) کیونکہ سورہ فاتحہ پڑھنے سے قرآن سننے میں فرق پڑے گا۔

احادیث: مسلم شریف باب التشہد میں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا قرء فانصتوا۔ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو۔ کبیری نے بروایت صحیح بشرط شیخین حضرت جابر ابن عبد اللہ و عبد اللہ ابن مسعود وغیرہم سے مختلف اسنادوں سے نقل فرمایا کہ قراءۃ الامام له قراءۃ۔ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ اگر اس قسم کی اور بہت سی احادیث مختلف اسناد سے دیکھنا ہوں تو موطا امام محمد اور طحاوی دیکھو۔ اکثر صحابہ کرام کا بھی یہی قول ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ اسے امام کی قرأت کافی ہے۔ خود بھی عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے۔ قاسم بن محمد ایسے حضرات بہت سے ہیں جو امام کے پیچھے قرأت

منع کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ نماز میں خاموشی اختیار کرو۔ کیونکہ نماز میں مشغولیت ہے اور امام کی قرأت سننا، امام کی قرأت کافی ہے یہ ہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام کے پیچھے قرأت منع کرتے تھے۔ حضرت علقمہ بن قیس فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے قرأت کرے میں چاہتا ہوں کہ اس کے منہ میں آگ بھر دوں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کاش امام کے پیچھے قرآن پڑھنے والے کے منہ میں انگارا ہوتا۔ حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ تمام روایتیں اور اس کے علاوہ بہت سی روایات مع اسناد موطا امام محمد اور طحاوی شریف میں ملاحظہ کرو۔ عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے وہ خلاف فطرت کرتا ہے۔ دیکھو فتح القدیر۔ غرضکہ صحابہ کرام کے اقوال بے شمار ہیں۔ اسی لئے شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب القرأت میں توضیح و کافی سے نقل فرمایا کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے کی ممانعت اسی ۸۰ صحابہ کرام سے منقول ہے۔ جن میں علی المرتضیٰ اور عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہیں اور محدثین نے ان اسی کے نام بھی جمع فرمائے۔ عقل کا بھی تقاضا یہ ہے کہ مقتدی پر قرأت واجب نہ ہو چند وجوہ سے ایک یہ کہ نماز میں جیسے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ ویسے ہی سورۃ ملانا بھی ضروری ہے اور سورۃ ملانا تو مقتدی پر لازم نہیں بلکہ اس میں امام کی قرأت کافی ہے۔ ایسے ہی سورت فاتحہ میں امام کی قرأت کافی ہونا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص رکوع میں امام کے ساتھ مل جائے اسے رکعت مل جاتی ہے۔ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری ہوتی۔ تو رکوع ملنے سے رکعت نہ ملتی۔ جیسے کہ تکبیر تحریمہ یا قیام یا رکوع نہ ملنے سے رکعت نہ ملتی۔ اگر کوئی مقتدی رکوع میں شرکت کرتے وقت تکبیر تحریمہ نہ کہے۔ یا سیدھا رکوع میں چلا جائے اور بعد تکبیر تحریمہ قیام نہ کرے تو رکعت نہیں پاتا۔ معلوم ہوا کہ اس مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہو گی۔ تو چاہیئے کہ دوسرے مقتدیوں کے لئے بھی امام کی قرأت کافی ہو۔ تیسرے یہ کہ بادشاہ کے دربار میں شاہی آداب سب بجا لاتے ہیں۔ اس کو سلام مجرا سب ہی عرض کرتے ہیں۔ مگر اس سے کلام صرف وفد کا امیر کرتا ہے ہر شخص کا بولنا بے ادبی میں شمار ہے۔ اسی طرح جماعت کی حالت میں مسلمانوں کا وفد رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو نماز کے افعال جو آداب شاہی ہیں سب بجا لاویں۔ سبحان رکوع و سجود کی تسبیحیں التحیات وغیرہ سب پڑھیں کہ یہ اس دربار کا سلامی مجرا ہے۔ رہی مخالفوں کی پیش کردہ حدیث یعنی لاصلوٰۃ الخ جو بخاری نے روایت کی۔ ان جیسی تمام احادیث میں چند طرح گفتگو ہے ایک یہ کہ یہ حدیث دو طرح قرآن کے خلاف ہے ایک اس طرح کہ قرآن شریف امام کی قرأت کے وقت خاموش رہنے اور کان لگا کر سننے کا حکم دے رہا ہے۔ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا اور یہ حدیث اس وقت قرأۃ کرنے کا حکم دے رہی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنا نماز میں فرض ہے جس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ مگر قرآن شریف فرماتا ہے کہ قرآن کا جو حصہ بھی آسانی سے پڑھ لیا جائے۔ نماز ادا ہو جاوے گی۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ جس قدر قرآن آسان ہو وہ نماز میں پڑھو لہٰذا اب اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہئیں کہ جس سے قرآن و حدیث میں اتفاق ہو جائے

اور مخالفت نہ رہے۔ اور وہ اس طرح کہ لا صلوٰۃ کے معنی یہ کئے جاویں کہ نماز بغیر سورۃ فاتحہ کے نہیں ہوتی یعنی کامل نہیں ہوتی۔ یعنی مطلق قرأۃ قرآن تو فرض ہے اور سورۃ فاتحہ واجب ہے۔ جیسے دوسری روایت میں ہے کہ لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد۔ جو مسجد کے قریب رہتا ہو اس کی نماز گھر میں نہیں ہوتی۔ یعنی کامل نہیں ہوتی اب فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ والی آیت اور اس حدیث میں مخالفت نہ رہی دوسرے لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب میں قرأت حکمی اور حقیقی یعنی قرأۃ مراد ہو یعنی اگر امام قرأت کرے اور مقتدی کی بھی قرأت حکمی ہو گئی۔ اب اس حدیث پر عمل بھی ہو گیا اور وہ معارض بھی نہ رہا۔ لہٰذا قرآن پر بھی عمل ہو گیا۔ دوسرے یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے۔ فاذا قرء فانصتوا لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں اسی طرح اجتماع کر لینا ضروری ہے۔ تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔
تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث مقتدی کے حق میں ظاہر ہے نص نہیں اور ہماری پیش کردہ حدیث فاذا قرء فانصتوا مقتدی کے حق میں نص ہے۔ یعنی مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنا بطور ظاہر ضروری ہے اور بطریق نص منع ہے اور جب ظاہر و نص کا تعارض ہو تو نص کو ترجیح ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ حدیث مقتدی کے لئے وارد ہوئی ہے۔
چوتھے اس طرح کہ لا صلوٰۃ کی حدیث عام مخصوص البعض ہے۔ جس سے مقتدی نکالا گیا ہے اور منفرد باقی رکھا گیا ہے اور اس کی مخصص ہماری پیش کردہ احادیث ہیں۔ پانچویں یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں لمن لم یقرء کے من سے مراد منفرد ہے اور حدیث اس کے بارے میں ہے جو اکیلے نماز پڑھے۔ اسی لئے تفسیرات احمدیہ اور احکام القرآن میں بحوالہ مؤطا امام مالک کے اس حدیث کو اس طرح نقل فرمایا۔ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب والسورۃ یعنی بغیر سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ کے نماز نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ مقتدی پر دوسری سورۃ پڑھنا واجب نہیں اسی طرح سورۃ فاتحہ پڑھنا بھی واجب نہیں ہے تو جیسے یہ حدیث منفرد کے حق میں ہے۔ ایسے تمہاری پیش کردہ حدیث بھی منفرد ہی کے لئے ہونی چاہئے
بہر حال اس حدیث سے تمہارا استدلال غلط ہے کیونکہ اس میں اس قدر احتمالات موجود ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث قرأۃ الامام لہ قرأۃ ضعیف ہے اور ضعیف حدیث سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ہماری پیش کردہ یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے۔ دیکھو طحاوی شریف اور ایک اسناد کے ضعیف ہونے سے متن حدیث ضعیف نہیں ہو جاتا (نخبۃ الفکر) اس کی تمام اسنادیں ضعیف نہیں دوسرے یہ کہ اگر حدیث چند اسنادوں سے مروی ہو اور وہ ساری اسنادیں ضعیف ہوں تو زیادتی اسناد کی وجہ سے متن حدیث ضعیف نہیں رہتا۔ بلکہ حسن بن جاتی ہے اور حسن سے دلیل پکڑنا جائز ہے (شامی) تیسرے یہ کہ کسی اسناد میں مجہول جرح حنفیہ کے نزدیک معتبر نہیں۔ اگر کوئی محدث فرما دیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو اس سے حدیث ضعیف نہیں ہو جاتی جب تک کہ محدث یہ نہ فرما دیں کہ اس اسناد کا فلاں راوی ضعیف ہے اور راوی کے ضعف کی یہ وجہ ہے۔ چوتھے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث امام بخاری و مسلم وغیرہم کو ضعیف ہو کر ملی ہو۔ امام ابو حنیفہ تک صحیح ہو کر پہنچی تھی۔ چونکہ امام صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب تھا۔ اس لئے اس وقت احادیث کم ضعیف ہوئی تھیں۔ بعد میں اسنادوں میں ضعیف راوی شامل ہوتے گئے۔ اسنادیں ضعیف ہوتی گئیں۔ لہٰذا بعد کا ضعف امام صاحب کو مضر نہیں۔ پانچویں یہ کہ اگر ضعیف حدیث کو کوئی مجتہد محدث یا فقیہ قبول فرمالیں تو وہ حدیث حسن بن جاتی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کسی حدیث کو قبول فرمانا اس کے حسن ہونے کی دلیل ہے۔ دیکھو اصول حدیث۔ چھٹے یہ کہ اگر یہ حدیث قرأۃ الامام له قرأۃ ضعیف بھی ہو تب بھی مفید نہیں کیونکہ حدیث واذا قرأ فانصتوا مسلم کی روایت ہے اور بالکل صحیح ہے۔ نیز قرآن شریف سے اس کی تائید ہے۔ بہر حال امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے اور خاموش رہنا واجب۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۹۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جہری میں سورہ فاتحہ ختم ہونے پر امام اور مقتدیوں کو آمین آہستہ کہنا چاہیے یا بلند آواز سے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بلند آواز سے کہنا چاہیے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کہتے تھے۔ روایات میں ہے۔ مد بها صوته۔ نیز صحابہ کرام اتنی بلند آواز سے آمین کہتے تھے کہ مسجد شور سے گونج جاتا تھا۔ کیا یہ روایات درست ہیں۔ اگر درست ہوں تو ان کا جواب کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نماز میں آمین امام و مقتدی دونوں کو آہستہ کہنا چاہیے۔ زور سے آمین کہنا خلاف سنت بلکہ مکروہ ہے۔ دلائل یہ ہیں۔

(۱) آمین قرآن شریف کا لفظ نہیں ہے بلکہ دعا ہے۔ جس کے معنی ہیں یا اللہ قبول فرما۔ اس پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ آمین دعا ہے۔ اسی لئے اسے قرآن شریف میں لکھا نہ گیا۔ نیز ایک موقعہ پر موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ فرعون ہلاک ہو جاوے اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔ رب تعالیٰ نے ان دونوں کی دعا قبول فرمایا۔ ارشاد ہوا قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا۔ اللہ نے تم دونوں کی دعائیں قبول کرلیں۔ حضرت ہارون کی دعا کیا تھی۔ یہی آمین۔ معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے اور دعا آہستہ مانگنی چاہیے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔ اپنے رب سے آہستگی اور زاری سے دعا مانگو۔ نیز فرماتا ہے۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ لوگ آپ سے میرے بارے میں جب پوچھیں۔ تو ان سے فرما دو کہ میں قریب ہوں۔ دعا مانگنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہوں جب وہ دعا کرتے ہیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ دعا مانگنے والے کو چیخنے کی زحمت گوارا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چپکے سے دعا مانگو۔ لہٰذا آمین بھی چپکے سے کہو۔

(۲) مشکوٰۃ شریف باب القرأۃ فی الصلوٰۃ میں ہے۔ اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا آمین فانه

من وافق قوله قول الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه (بخاری شریف) جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی اس کے سارے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ جب معاف ہوں گے جب ہماری آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہوگی اور فرشتے تو آمین آہستہ کہتے ہیں جو ہم کو نہیں سنائی دیتی تو ہم کو بھی آہستہ ہی آمین کہنی چاہیئے۔ ورنہ فرشتوں کی مخالفت ہوگی۔ خیال رہے کہ یہاں وقت کی موافقت مراد نہیں ہے کیونکہ فرشتوں کی آمین کا وقت تو یہی ہے کیفیت میں موافقت مراد ہے یعنی آہستہ ہو۔

(۳) امام احمد، ابو داؤد، طبرانی اور دارقطنی نے اپنی سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے کہ حضرت وائل ابن حجر نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور نے سورہ فاتحہ ختم فرمائی تو آمین کہا۔ واخفى بها صوته اور آہستہ آواز سے آمین کہا۔

(۴) طبرانی نے تہذیب میں اور طحاوی نے اور ابن جریر نے اور ابو حفص بن شاہین نے حضرت ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز میں نہ تو بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔

(۵) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے آثار میں اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چار چیزوں کو امام آہستہ کہے۔ اعوذ۔ بسم اللہ۔ سبحان۔ آمین۔

(۶) طبرانی نے کبیر میں ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز میں اعوذ۔ بسم اللہ۔ آمین بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔

(۷) عینی شرح ہدایہ نے حضرت ابو معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ۔ بسم اللہ۔ آمین اور ربنا لک الحمد۔

(۸) یہی حدیث منتخب کنز العمال میں ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

(۹) ابو داؤد، ترمذی اور ابن ابی شیبہ نے وائل ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا اور آمین فرمایا وخفض بها صوته۔ آمین میں اپنی آواز شریف پست رکھی۔

(۱۰) بیہقی نے ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی سیدنا عبداللہ فرماتے ہیں۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے بسم اللہ۔ ربنا لک الحمد۔ آمین اور اعوذ باللہ۔

(۱۱) دارمی اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ جب قاری کہتا ہے ولا الضالین تو آسمان کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں جس کی آمین ان کی آمین کے موافق ہوگی اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ ان احادیث کی پوری تحقیق صحیح البہاری میں ملاحظہ کریں۔

عقلی دلیل: نماز کی ساری دعائیں۔ دعائے قنوت۔ دعائے ماثورہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں چونکہ آمین بھی ایک دعا ہے چاہیے کہ یہ بھی آہستہ کہی جاوے۔ نیز نماز میں سوا تکبیروں اور تلاوت کے کوئی ذکر بلند آواز سے نہیں کرتے اور آمین بھی ان کے علاوہ ہے۔ چاہیے کہ یہ بھی آہستہ کہی جاوے۔ معترض کی پیش کردہ حدیثوں میں چند طرح گفتگو ہے۔ ایک یہ کہ آمین بالجہر کے مقابل قرآن کی آیت ہے کہ قرآن دعا آہستہ مانگنے کا حکم دے رہا ہے اور یہ احادیث بلند آواز سے آمین کہنے کا حکم دے رہی ہیں لہٰذا قرآن کو ترجیح ہونی چاہیے۔

دوسرے یہ کہ جب احادیث کی چھان بین کی جاوے تو آمین بالجہر کی احادیث میں صرف وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث صحیح ہے جس میں ہے مد بہا صوتہ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ بلند آواز سے آمین فرماتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آواز کھینچ کر آمین کے الف اور میم کی مد سے ادا فرماتے تھے کیونکہ اس میں لفظ صوت ہے اور صوت آہستہ و بلند ہر طرح کی آواز کو کہتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ انہی وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں صراحۃً آچکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آمین فرماتے تھے تو یقیناً اس روایت میں بھی صوت سے آہستہ آواز ہی مراد ہونی چاہیے تاکہ ایک راوی کی روایتیں متعارض نہ ہوں۔

چوتھے یہ کہ جن روایتوں میں جہر کے الفاظ منقول ہیں اولاً تو وہ اسناد کے اعتبار سے صحیح نہیں دوم ان کے راویوں نے روایت بالمعنی کی ہے یعنی مد بہا صوتہ کا جہر سے کر دیا ہے اور صوت کے معنی وہ ہیں جو ہم نے عرض کر دیئے۔

پانچویں یہ کہ جب حدیثوں میں تعارض ہو تو قیاس سے حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یہاں آواز سے آمین کہنے کی حدیثیں قیاس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا اور آہستہ آمین کہنے کی حدیثیں قیاس کے مطابق۔ لہٰذا آہستہ کی احادیث کو ترجیح ہے۔

چھٹے یہ کہ آہستہ آمین کی حدیثیں قرآن سے ترجیح پا رہی ہیں۔ لہٰذا ان پر عمل کرنا بہتر ہے۔

ساتویں یہ کہ ہو سکتا ہے کہ بلند آواز سے آمین کہنے کی حدیثیں منسوخ ہوں اور آہستہ کہنے والی حدیثیں ناسخ لہٰذا یہ ہی قابل عمل ہیں۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بزرگان دین وفات کے بعد زندوں کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نہیں کر سکتے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اللہ کے پیارے بندے اپنی زندگی میں اور بعد وفات کے خلق کی مدد فرماتے ہیں بلکہ ان کے تبرکات اور ان کے

نام سے مخلوق کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ اب بھی حضور کے نام سے کافر مومن بنتا ہے۔ حضور کے ذریعے سے رب تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور گناہ بخشتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝ اگر یہ مجرم اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آجاویں اور رب سے معافی چاہیں اور اے محبوب تم بھی ان کی شفاعت کرو تو یہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے۔ اس آیت میں زندگی شریف یا بعد وفات کی قید نہیں ہے۔ ہر وقت حضور کی بارگاہ میں جسمانی یا قلبی حاضری ضروری ہے۔ اسی لئے اب بھی فقہا فرماتے ہیں کہ روضہ انور پر جو حاضر ہو تو یہ آیت پڑھے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام نے حضور کی معراج کی رات پچاس نمازوں کی پانچ کرا دیں (بخاری و مسلم) حالانکہ حضور کی معراج کے وقت موسیٰ علیہ السلام کو وفات پائے سینکڑوں سال ہو گئے تھے۔ جب بنی اسرائیل قوم جالوت سے لڑنے کے لئے گئے۔ تو رب نے انہیں ایک صندوق عطا فرمایا۔ جسے تابوت سکینہ کہا جاتا ہے۔ اس میں کیا تھا قرآن فرماتا ہے۔ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ اس میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات نعلین شریف عمامہ شریف وغیرہ تھا۔ اس کے ذریعہ یہ لوگ دشمن پر فتح پاتے تھے۔ یہ تو وفات یافتہ بزرگوں کے تبرکات سے مدد لینا ہے۔ مشکوٰۃ باب الکرامات میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زمانہ میں قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے آپ سے بارش کی دعا کے لئے کہا تو فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کی چھت توڑ دو۔ تاکہ قبر شریف اور آسمان میں آڑ نہ رہے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور فوراً بارش آئی۔ غرضکہ وفات یافتہ بزرگوں کی مدد کا مسئلہ نہایت ظاہر ہے۔ اس کی تحقیق دیکھنا ہو تو ہماری کتاب رحمت خدا بوسیلہ اولیاء میں دیکھو۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے ملک میں بعض لوگ زمین گروی رکھ دیتے ہیں۔ قرض خواہ زمین کی پیداوار کھاتا رہتا ہے۔ پھر مقروض جب موقع پاتا ہے قرض ادا کر کے زمین واپس لے لیتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ خالص سود ہے کیونکہ قرض خواہ اپنا قرض تو پورا وصول کرے گا باقی جو منافع زمین کا کھاتا رہا یہ قرض پر زیادہ ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ کل قرض جر نفعاً فھو ربوا۔ جو قرض نفع دے وہ سود ہے۔ قرض خواہ جو کسی کی چیز گروی رکھے اس کی آمدنی بالکل نہیں کھا سکتا۔ بلکہ آمدنی بھی امانتاً اپنے پاس رکھے گا اور ادائے قرض کے وقت وہ چیز اور یہ آمدنی کا روپیہ سارا واپس کرے گا۔ دیکھو شامی و عالمگیری۔ اس کے لئے ایسا کرنا چاہیئے کہ حاجت مند قرض نہ لے اور زمین گروی نہ کرے بلکہ زمین کی بیع کر دے اور اس کی قیمت لے لے۔ لیکن بیعنامہ رجسٹری ہو جانے کے فوراً بعد خریدار کی طرف سے یہ اقرار نامہ رجسٹری کرا لے کہ

میں اقرار کرتا ہوں کہ جس وقت یہ شخص روپیہ (واپس) چاہے گا میں اس زمین کو اتنی قیمت میں اس کے ہاتھ فروخت کر دوں گا۔ یہ بیع وفا کی ایک قسم ہے یہ بالکل جائز ہے اور اب جو زمین کی آمدنی یہ شخص کھائے گا وہ حلال ہوگی کیونکہ یہ زمین اس کی اپنی ہو چکی جن فقہا نے بیع وفا کو ناجائز فرمایا ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ واپسی کی شرط بیع میں داخل ہو کیونکہ بیع بالشرط فاسد ہوتی ہے۔ یہاں واپسی کی پابندی بیع کی شرط نہیں ہے۔ بلکہ علیحدہ قرار داد ہے جیسے کوئی شخص باغ کی بہار خرید کر بعد میں درخت کرایہ پر لے لے اور بہار کے ختم ہونے تک درختوں سے فائدہ اٹھائے تو جائز ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی یہ بھی ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو چاند کا اعلان ریڈیو پر ہو جاتا ہے یا تار یا خطوط آجاتے ہیں یا ٹیلیفون پر کسی سے دریافت کر لیتے ہیں یا ریڈیو سے گھومتا ہوا اعلان آجاتا ہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا۔ یا ٹیلیویژن پر اعلان ہو جاوے جس میں بولنے والے کی تصویر بھی سننے والے کے سامنے آجاتی ہے یا اخبار میں شائع ہو جاتا ہے کیا ان صورتوں میں چاند مان لیا جاوے گا اور اس اعلان پر روزہ یا عید کئے جا سکتے ہیں۔ جواب دلائل سے مزین ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل نے جن سات چیزوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے کسی چیز کا اعتبار نہیں اور ان سے چاند کا ثبوت نہ ہوگا نہ شرعی احکام اس پر مرتب ہوں گے کیونکہ چاند کے ثبوت کے لئے یا خبر کی ضرورت ہے یا شرعی گواہی کی۔ اور خبر کی تصدیق شرعی لازم ہے اور گواہی میں وہ تمام شرطیں درکار ہیں جن کی شریعت نے قید لگائی ہے قرآن کریم خبر کے بارے میں فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اے مسلمانو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی سامنے آکر بھی خبر دے تب بھی تحقیق ضروری ہے۔ ریڈیو، خط، اخبار وغیرہ میں پتہ نہیں لگتا کہ کون خبر دے رہا ہے۔ پھر اس کو کیسے مانا جاوے۔ گواہی کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ واشہدوا ذوی عدل منکم۔ اپنے میں سے دو عادل صاحبوں کو گواہ بناؤ۔ فرماتا ہے۔ فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان ممن ترضون من الشہداء اور اگر دو مرد گواہ نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بناؤ جن کے تقویٰ اور پرہیزگاری سے تم راضی ہو۔ معلوم ہوا کہ گواہی میں عدد کی بھی ضرورت ہے اور تقویٰ کی بھی قید۔ اخبار ریڈیو میں یہ شرطیں گم ہیں لہٰذا ان کا اعتبار کیسا چونکہ آج کل اس مسئلہ کی بہت ضرورت ہے لہٰذا ہم کچھ تفصیل ان کی تمام صورتیں عرض کئے دیتے ہیں۔

(۱) **چاند کی خبر:** شعبان کی ۲۹ تاریخ کو اگر مطلع صاف نہ ہو تو ایک ہی شخص کا رمضان کے چاند کی خبر دینا کافی ہے۔ بشرطیکہ وہ شخص بظاہر فاسق و بدکار نہ ہو۔ خواہ عورت کہہ دے یا مرد کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ یہ خبر صرف رمضان

سے چاند میں قبول ہوگی جبکہ مطلع گرد آلود ہو رمضان کے علاوہ دیگر چاندوں میں گرد و غبار کی صورت میں دو عادلوں کی گواہی درکار ہے اور اگر مطلع صاف ہو تو ہر چاند کے لئے اتنی بڑی جماعت درکار ہے جن کا جھوٹا ہونا عقلاً مشکل معلوم ہو۔ چنانچہ ملتقی الابحر میں ہے۔ وقبل فی ھلال رمضان خبر عدل ولو عبداً او انثی او محدوداً فی قذف تاب ولا یشترط لفظ الشہادۃ وفی ھلال الفطر وذی الحجۃ لشہادۃ حرین او حر وحرتین بشرط العدالۃ ولفظ الشہادۃ۔ عالمگیری میں ہے۔ ان کان فی السماء علۃ فشہادۃ الواحد علی ھلال رمضان مقبولۃ اذا کان عدلاً مسلماً عاقلاً بالغاً حراً کان او عبداً۔ درمختار میں ہے۔ وقبل بلا علۃ جمع عظیم یقع العلم الشرعی وھو غلبۃ الظن۔

چاند کی شہرت: اس سے بھی چاند ہے۔ اسے فقہ میں خبر مستفیض کہتے ہیں۔ اس خبر مستفیض کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی شہر سے ایک بڑی جماعت مسلمانوں کی آئے اور کہے کہ فلاں شہر میں عام طور پر لوگ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے چاند دیکھ لیا۔ اس سے بھی چاند کا ثبوت ہوگا۔ درمختار میں ہے۔ نعم لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری لزمھم علی الصحیح من المذھب مجمع الانہر میں ہے۔ الصحیح من مذھب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض فی بلدۃ اخری وتحقق یلزمھم حکم تلک البلدۃ۔ اس کو خواہ خبر متواتر کہو یا خبر مشہور کہو قبول ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ ہم سے بیان کرنے والی بڑی جماعت ہو۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شہر سے بڑی جماعت آکر کہے فلاں شہر میں وہاں کے حاکم شرع یا فلاں مفتی نے چاند کی گواہی لے کر عید کا فتویٰ دے دیا۔ یا وہاں فلاں دن روزہ ہوا یا عید ہوگی۔ اس صورت میں بھی چاند کا ثبوت ہو جاوے گا۔ اور اس شہر والوں کو بھی ماننا پڑے گا۔ شامی کتاب الصوم میں ہے۔ قال الرحمتی معنی الاستفاضۃ ان تاتی من تلک البلدۃ جماعات متعددون کل منھم یخبر عن اھل تلک البلدۃ انھم صاموا عن رؤیۃ۔ اس صورت میں بھی شرط یہی ہے کہ جماعت کثیرہ ہم سے آکر کہے اخبار یا ریڈیو جماعت کثیرہ نہیں۔ غرضیکہ ریڈیو، اخبار، تار وغیرہ کی خبریں شرعاً قابل اعتبار نہیں کیونکہ ان میں قبول کی شرعی شرطیں موجود نہیں۔

چاند کی گواہی: شریعت میں اس گواہی کی چند شرطیں ہیں۔ کہ اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو گواہی قبول نہیں (۱) گواہ کا مسلمان ہونا (۲) آزاد ہونا (۳) بینا ہونا (۴) بولنے والا ہونا (۵) عادل یعنی نیک و صالح ہونا (۶) قاضی اور گواہ کا ایک جگہ ہونا (۷) عاقل ہونا (۸) مشہود بہ کو دیکھنا (۹) لفظ اشہد کا بولنا (۱۰) نصاب شہادت کا پورا ہونا ان شرطوں میں سے اگر کوئی شرط نہ پائی جاوے تو گواہی شرعاً معتبر نہیں۔ ترمذی شریف میں ہے۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجوز شہادۃ خائن ولا خائنۃ ولا مجلود حداً ولا ذی غمر علی اخیہ ولا ظنین فی ولاء ولا قرابۃ ولا القانع مع اھل البیت (مشکوٰۃ باب الشہادۃ) ابوداؤد شریف میں ہے وہاں اتنی اور زیادتی ہے ولا

زمان ولا ثمانیۃ (مشکوٰۃ) شامی باب الشہادت میں ہے گواہی کے شرائط میں فرماتے ہیں۔ فہی الحریۃ والبصر والنطق والعدالۃ وان لا یکون محدودا فی قذف وان لا یجر الشاہد الی نفسہ مغنماہ یعنی شرع کنز الدقائق میں ہے شروط لکل الثلث العدالۃ لانہا ھی المعینۃ للصدق قال اللہ تعالیٰ واشہدوا ذوی عدل منکم وقال اللہ تعالیٰ ممن ترضون من الشہداء والعدل وھو المرضی وھی شرط لزوم العمل بالشہادۃ۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔ اما رکنہا فلفظ اشہد بمعنی الخبر دون القسم، قدوری میں ہے۔ فان لم یذکر الشاہد لفظۃ الشہادۃ وقال اعلم او اتیقن لم تقبل شہادتہ۔ عالمگیری وشامی میں ہے۔ والعدد فی الشہادۃ فیما یطلع علیہ الرجال واتفاق الشاہدین ملخصا۔

غرضیکہ گواہی میں ان دس شرطوں کی ضرورت ہے اور ریڈیو پر بولنے والا نہ تو گواہی کا لفظ بولتا ہے اور نہ حق وصلاح ہونا اس کا یقینی ہے کیونکہ ہم کو تو دکھائی ہی نہیں دیتا کون بول رہا ہے۔ نہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے۔ قاضی صاحب پشاور میں ہے اور ریڈیو والا کراچی میں۔ نہ وہاں گواہی کا نصاب ہے نہ وہ کہتا ہے کہ میں نے چاند خود دیکھا بلکہ صرف خبر دیتا ہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا۔ لہٰذا ریڈیو کا یہ اعلان نا قابل قبول۔ خبر معتبر کی شرطیں ہم پہلے عرض کر چکے۔

گواہی کے اقسام: گواہی کی تین قسمیں ہیں۔ ایک اصل واقعہ کی گواہی۔ دوسرے گواہی پر گواہی۔ تیسرے قاضی کے فیصلہ کی گواہی یعنی شہادت علی القضاء۔

واقعہ کی گواہی میں تو وہ شرائط ہیں جو اوپر بیان کی گئیں۔ اور گواہی پر گواہی کی شرط یہ بھی ہے کہ جب گواہ نے خود تو چاند نہیں دیکھا مگر دو آدمیوں عادلوں نے ان کے سامنے گواہی دی ہو اور انہیں اپنی گواہی پر گواہ کیا ہو۔ یہ دونوں قاضی کی مجلس میں آکر اس طرح گواہی دیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں اور فلاں ابن فلاں نے انتیس تاریخ کا چاند دیکھا۔ اور ہر ایک نے ہمیں اپنی اپنی گواہی پر گواہ بنایا۔ اس سے بھی چاند کا ثبوت ہو جاوے گا چنانچہ تنویر الابصار میں ہے۔ الشہادۃ علی الشہادۃ مقبولۃ وان کثرت وکیفیتہا ان یقول الاصل مخاطب للفرع اشہد علی شہادتی انی اشہد بکذا ویقول الفرع اشہد ان فلانا اشہدنی علی شہادتہ بکذا وقال لی اشہد علی شہادتی بذالک (ملخصا) فتاوی عالمگیری میں ہے۔ وینبغی ان یذکر الفرع اسم الشاہد الاصل واسم ابیہ واسم جدہ حتی لو ترک ذالک فالقاضی لا یقبل شہادتہما کذا فی الذخیرۃ۔

شہادۃ علی القضاء میں شرط یہ ہے کہ کسی شہر کے مفتی و قاضی کے پاس عادل گواہ آکر یہ گواہی دیں۔ کہ فلاں شہر کے مفتی یا قاضی کے پاس ہماری موجودگی میں دو عادل گواہ آئے اور انہوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ان

مفتی صاحب نے ان کی گواہی سے چاند کا حکم فرمادیا۔ اب اس شہر کے مفتی صاحب بھی اس گواہی قضاء پر چاند کا فتویٰ دے سکتے ہیں مجمع الانہر میں ہے۔ قالوا لو رای اھل المغرب ھلال رمضان یجب بروئیتھم علی اھل المشرق اذا ثبت عندھم بطریق یوجب کما لو شھد واعند قاضی مصر من اھل بلدۃ علی ان قاضی بلد کذا شھد عندہ شاھدان بروئیۃ الھلال فی لیلۃ کذا وقضی القاضی بشھادتھما جاز لھذا القاضی ان یقضی بشھادتھما لان قضاء القاضی حجۃ وقد شھد ابہ۔ اور ظاہر ہے کہ ریڈیو میں یہ بھی صورت نہیں ہے۔ وہ محض ایک خبر دیتا ہے اگر یہی وہ آدمی یہ کہیں کہ فلاں جگہ کے قاضی کے سامنے گواہیاں گذریں اور قاضی صاحب نے چاند کا حکم دے دیا مگر ہم گواہیوں کے وقت موجود نہ تھے۔ تو یہ گواہی اس دوسرے قاضی یا مفتی کے لئے کافی نہیں اور نہ ہی یہ قاضی چاند کا حکم دے سکتا ہے۔ درمختار میں ہے۔ نعم لو شھدوا بقضاء القاضی صحیحۃ وان لم یشھدھا القاضی علیہ وقیدہ ابویوسف بمجلس القضاء وھو الاحوط ذکرہ فی الخلاصۃ۔

چاند کی افواہ اگر شہر میں یہ خبر اڑ گئی کہ چاند ہو گیا۔ مگر جس سے پوچھو وہ یہی کہتا ہے کہ سنا ہے کہ چاند ہو گیا۔ دیکھنے والے کا پتہ نہیں چلتا۔ وہاں کوئی مفتی نکلے یا آئے تو لوگ اس کی بات مانتے نہیں خواہ مخواہ نقارہ یا گولہ چلا دیتے ہیں۔ تو اس سے چاند کا ثبوت نہ ہو گا۔ چنانچہ شامی میں ہے مجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعۃ فمثل ھذا لاینبغی ان یسمع فضلا ان یثبت (ملخصا)

اخبار، خطوط، ٹیلیفون، تار، ریڈیو وغیرہ اگر اخبار میں کسی جنتری کی انتیس تاریخ کے حساب سے تاریخیں پڑھی ہوں، یا یہ خبر شائع ہوئی ہو کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا۔ تو اس سے چاند کا ثبوت نہ ہو گا۔ اولاً تو اخباری خبریں بسا اوقات گپ نکلتی ہیں اور اگر یہ خبر درست بھی ہو تو بھی بغیر تحقیق قابل قبول نہیں۔ چنانچہ شامی میں ہے: فانھم لم یشھدوا با الرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم۔

اسی طرح کہیں سے خط آجاتا ہے کہ یہاں چاند ہو گیا۔ معتبر نہیں کیونکہ الخط یشبہ الخط فلم یحصل العلم۔ ایک خط دوسرے خط سے مل جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے علم حاصل نہ ہو گا۔ درمختار میں ہے۔ لا یعمل بالخط۔ الاشباہ والنظائر میں ہے لا یعتمد علی الخط ولا یعمل بہ۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے۔ والخط یشبہ الخط۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ الکتاب قد یفتعل ویزور الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم۔ قاضی خاں میں ہے۔ القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ ھی البینۃ والاقرار۔ اما الصک لا یصلح حجۃ لان الخط یشبہ الخط۔ غرضکہ فقہاء کے نزدیک خط بھر تحریر پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے تار اور ٹیلیفون تو بالکل ہی قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ ان میں نہ لکھنے

والا سامنے ہوتا ہے نہ اس کی تقریر، نہ معلوم کون بول رہا ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ ولو سمع من وراء الحجاب لا یجوز له ان یشهد ولو فسر للقاضی لا یقبله لان النغمة تشبه النغمة فلم یحصل العلم
معلوم ہوا کہ جہاں گواہ پردے کے پیچھے ہو تو گواہی معتبر نہیں۔ کیونکہ ایک آواز دوسری آواز سے بھی مل جاتی ہے۔
عالمگیری میں ہے۔ ولو سمع من وراء الحجاب لا یسعه ان یشهد لاحتمال ان یکون غیره اذا النغمة تشبه النغمة۔

ریڈیو: جو خرابیاں اور دشواریاں تار و ٹیلیفون میں ہیں۔ اس سے زیادہ دشواری ریڈیو میں موجود ہے۔ کیونکہ ریڈیو میں بھی خبر نہیں ہوتی کہ بولنے والا کون ہے مسلمان ہے یا کافر۔ مسلمان ہے تو فاسق ہے یا عادل اور اس نے کس ذریعہ سے یہ خبر حاصل کی۔ اس کے علاوہ تار و ٹیلیفون پر سوال پر جواب بھی کر سکتے ہیں۔ مگر ریڈیو پر کچھ نہیں کر سکتے۔ تار ٹیلیفون ہر قصبہ و گاؤں میں پہنچ سکتا ہے۔ مگر ریڈیو ہر جگہ نہیں سنا جاتا۔ تار ٹیلیفون ہر جگہ سے دیا جا سکتا ہے مگر ریڈیو کی اطلاع ہر جگہ سے نہیں دی جا سکتی۔

غرضکہ یہ نئے آلات خبر رسانی میں تو کام آ سکتے ہیں۔ مگر شرعی شہادتوں میں معتبر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے آج کچہریوں کے مقدمے ریڈیو یا تار یا ٹیلیفون کی خبروں پر فیصلے نہیں ہوتے۔ بلکہ گواہ کچہری میں بلائے جاتے ہیں۔ اور باقاعدہ گواہی لی جاتی ہے۔ پھر فیصلہ ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ جب دنیاوی جھگڑوں کے فیصلے ریڈیو وغیرہ سے نہیں ہوتے تو دینی امور جن میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ وہاں یہ خبریں کیسے معتبر ہو سکتی ہیں۔

ہاں اگر کوئی صحیح العقیدہ سنی عالم حکومت کی طرف سے چاند کی تحقیق پر مقرر ہو تو وہ شرعی گواہی لے کر اپنے آپ یا اپنے کسی وکیل کے ذریعہ ریڈیو پر اپنے فیصلہ کا اعلان کرے کہ میں نے یہ تحقیق کر کے فیصلہ کیا ہے تو شاید معتبر ہو جائے۔ جیسے نقارہ اور گولہ کی آواز سن کر یا شہر کا چراغاں دیکھ کر آس پاس کے لوگ چاند مان لیں۔ چنانچہ رد المحتار میں ہے۔ قلت الظاهر انه یلزم اهل القری الصوم بسماع المدافع او رؤیة القنادیل فی المصر لانه علامة ظاهرة تفید غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل کما صرحوا به واحتمال کون ذالک لغیر رمضان بعید اذ لا یفعل مثل ذالک عادة فی لیلة الشک الا لثبوت رمضان۔
لیکن ظاہر ہے کہ اب تک حکومت کی طرف سے نہ اس چیز کا اہتمام ہوا ہے اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے۔ اور اگر اہتمام کر بھی لیا گیا تو یہ صورت باقی نہ رہے گی۔ وہاں عالم کبھی مرزائی مقرر ہوگا کبھی وہابی۔ کبھی چکڑالوی پھر وہ عالم نہ معلوم کس طرح گواہی لے اور کس کی گواہی لے کر اعلان کرائے لہذا ریڈیو سے اعلان کا کوئی اعتبار نہیں۔

نوٹ ضروری: نہ معلوم موجودہ مسلمانوں کو چاند کا اتنا شوق کیوں پیدا ہو گیا ہے ہم کو شریعت نے اس کا مکلف نہیں کیا کہ ایسی مصیبتیں اٹھا کر خواہ مخواہ چاند مانیں اور عید و رمضان منائیں۔ ہم کو تو ہمارے آقا و مولیٰ حضور مصطفیٰ صلی

علیہ وسلم نے نہایت آسان حکم دیا کہ ان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین۔ اگر چاند مشتبہ ہو جاوے تو تیس دن کی گنتی پوری کرو۔ اس گنتی پوری کرنے میں نہ کچھ شک ہے نہ معصیت لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے موقعہ پر رمضان کے تیس دن پورے کر لیا کریں۔

خاتمہ: بعض لوگ جنتری کا بڑا اعتبار کرتے ہیں اور بعض لوگ چاند کو چھوٹا بڑا دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ چاند کل کا ہے یہ دو دن کا۔ جنتری بالکل غیر معتبر ہیں۔ چاند کا ثبوت جنتری سے نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے روایت ضروری ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ وھل یرجع الی قول اھل الخبرۃ العدول ممن یعرف علم النجوم الصحیح انہ لا یقبل۔ طحطاوی میں ہے وقولہ لیس بموجب شرعاً قطعاً ولا صوماً۔ سراج الفلاح میں ہے۔ وقول اھل التوقیت لیس بموجب۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے۔ لا یلتفت الی قول المنجمین۔ شامی میں ہے۔ لا یعتبر قولھم بالاجماع ولا یجوز للمنجم ان یعمل بحساب نفسہ۔ درمختار میں ہے۔ لا عبرۃ لقول الموقتین ولو عدولا علی المذھب۔ اسی طرح چاند بڑا ہونے کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ من اقتراب الساعۃ انتفاخ الاھلۃ (طبرانی) اسی طبرانی میں بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے۔ من اقتراب الساعۃ ان یری الھلال لیلۃ فیقال لیلتین۔ یعنی قرب قیامت کی علامات سے چاند کا بڑا ہو جانا ہے کہ ایک رات کے چاند کو کہا جاوے گا کہ یہ دو راتوں کا ہے۔ بہر حال سوا رؤیت یا گواہی یا خبر شائع کے اور کسی چیز سے چاند کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

واللہ ورسولہ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۰

احمد یار خان عفی عنہ

حکیم الامت شیخ التفسیر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

کا ترجمہ

مشکوٰۃ شریف

(کامل) دو جلدیں

عنقریب پورے اہتمام کے ساتھ منظر عام پر آ رہا ہے

مکتبہ اسلامیہ • بم اردو بازار لاہور